سبھی کے جاننے کی باتیں

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

مترجم: محمد اصغر صادقی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے“

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم : ”انی تارک فیکم الثقلین، کتاب اللہ، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا ابدا وانهما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض“.

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں“۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ج ۳ ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹. ۳۶۶/۴ و ۳۷۱، ۱۸۲/۵ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳، وغیرہ)

سبھی کے جاننے کی باتیں

خانه فرهنگ جمهوری اسلامی ایران۔کراچی
شماره کلید بندی : ۲۹۷/۴۱۷۲
شماره ثبت : ۸۹۶۱
تاریخ ثبت : ۱۳۸۷/۷/۴

سبھی کے جاننے کی باتیں

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

مترجم: محمد اصغر صادقی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

امینی، ابراهیم، ۱۳۰۲
[همه باید بدانند، اردو]
سبھی کی جاننی کی باتیں / ابراهیم امینی؛ مترجم: اصغر صادقی؛ مصحح: مرغوب عالم عسکری — [ویراست ۲] — قم: مجمع جهانی اهل بیت (ع)، ۱۳۸۵.
۲۲۲ ص.

ISBN 964-529-051-1

فهرست‌نویسی بر اساس اطلاعات فیپا.
اردو
کتابنامه: ص. ۲۲۵ - ۲۲۷؛ همچنین به صورت زیرنویس.
۱. شیعه — اصول — دین — به زبان ساده. ۲. فروع دین — به زبان ساده. ۳. اخلاق اسلامی. الف. صادقی، محمد اصغر، مترجم. ب. عسکری، مرغوب عالم، ویراستار. ج. مجمع جهانی اهل بیت(ع). د. عنوان. ه. عنوان: همه باید بدانند. فارسی.

BP ۲۱۱ / ۵ / ۸۰۴۶الف۸۸ه ۲۹۷/۴۱۷۲

۱۳۸۵

کتابخانه ملی ایران

۸۵-۱۰۵۲۷م

نام کتاب: سبھی کے جاننے کی باتیں
مؤلف: حضرت آیۃ اللہ ابراہیم امینی
مترجم: محمد اصغر صادقی
تصحیح: مرغوب عالم عسکری
نظر ثانی: فیروز حیدر فیضی
پیشکش: معاونت فرہنگی ادارۂ ترجمہ
ناشر: مجمع جہانی اہل بیت (ع)
تاریخ نشر: ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶ء
تعداد: ۳۰۰۰
مطبع: لیلیٰ
شابک: ISBN:964-529-051-1
www.ahl-ul-bayt.org
Info@ahl-ul-bayt.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اوران کے پیرووں نے خودکوطوفانی خطرات سے گزارکرحفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خودفرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لیے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کوعام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کیے بغیرمکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدرعلماء ودانشوردنیائے اسلام کوتقدیم کیے جنھوں نے بیرونی افکارونظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اورتقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اورمکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری ومعنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب وکامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اورفکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جومکتب بھی تبلیغ اورنشرواشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل وشعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت عصمت وطہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری ویکجہتی کو فروغ دیناوقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ

دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علام آقای امینی مدظلہ کی گرانقدر کتاب ''ہمہ باید بدانند'' کو جناب مولانا محمد اصغر صادقی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

دیباچہ

ہم آپ سے سوال کریں گے کہ کیا اس دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یا یہ دنیا خود بخود وجود میں آ گئی ہے اگر خدا ہے تو اس کے صفات اور اس کے یہ کام کیسے ہیں؟ کیا خدا نے ہمارے لئے دنیا میں رہنے کے طریقے اور قانون واحکام وضع کیے ہیں کہ ہم اس کے مطابق عمل کریں یا نہیں؟ کیا خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اپنے وعدے اور دعوے میں سچے تھے یا نہیں؟ کیا اس دنیا کے بعد کوئی دنیا موجود ہے یا نہیں؟ یعنی کیا انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کی جزا یا سزا پائے گا؟

انسان کی عقل ہمیشہ اور ہر وقت ان سوالات کے جواب کی تلاش میں رہتی ہے، اگر یہ سوالات واضح اور حل ہو جائیں تو اس کے ضمن میں سیکڑوں سوالات سے خود بخود نجات مل جائے گی، انسان کی عقل اچھے اور برے، غلط اور صحیح، حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے پر قادر ہے اور جب تک ان سوالات کو حل نہ کرلے، اس وقت تک اپنی جگہ پر آرام واطمینان سے نہیں بیٹھ سکتی، لہٰذا ان کا حل دل ودماغ کے لئے سکون کا باعث ہے۔

اس طرح کے موضوعات اور سوالات کو اصول دین کہتے ہیں، اصول دین ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق انسان کی روح اور عقل وفکر سے ہوتا ہے، اور اس میں عقلی دلیلوں ہی کا فقط گذر ہوتا ہے، اور تا حد نظر ثابت ہونے کے بعد اس کے اثرات اور اعمال انسان کے اعضا و جوارح سے رونما ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔
اصول دین میں تقلید کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ہر بالغ وعاقل کے لئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو دلیلوں کے ذریعہ حاصل کرے، اگر انسان نے اپنے عقائد کو اساسی اور بنیادی دلیلوں کے ذریعہ حاصل کیا ہے تو اس کا دل اور اس کی عقل مطمئن ہو جائے گی اور اندرونی حیرانی وسرگردانی اور پریشانی سے نجات پا جائے گا، اس وقت انسان اپنی من پسند زندگی بسر کرسکتا ہے۔

بچے اور نوجوان

صغر سنی اور نوجوانی کے ایام ہی تہذیب وتربیت کے لئے بہترین دن ہوتے ہیں، ان دنوں میں بچوں اور نوجوانوں کے دل ودماغ اور غلط افکار سے پاک و صاف رہتے ہیں یعنی ان کی ذہنیت کثافتوں سے محفوظ مثل کیمرہ کی فلم کے ہوتی ہے کہ جیسی چاہیں تصویریں اتارلیں۔
اگر ان بچوں کی تعلیم وتربیت صحیح ڈھنگ اور عقائد کو دلیل و برہان کے ذریعہ بتائی جائیں تو ان کی عقل وروح میں وہ بات راسخ ہو جائے گی، اور ان کے

بدن کا جزء لاینفک ہو جائے گا، پس ایسے افراد جہاں کہیں بھی رہیں اور جیسے افراد کے ساتھ رہیں اٹھیں بیٹھیں معاشرت کریں، ہرگز گمراہ نہیں ہونگے لہذا اگر ایسے افراد غیر مہذب معاشرہ اور سوسائٹی میں پروان چڑھیں تو بھی اس ماحول میں ڈھل نہیں سکتے، بلکہ یہ چاہیں تو پورے سماج و معاشرہ کو اپنے رنگ میں ڈھال دیں۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا معاشرہ صحیح تربیت و تعلیم سے محروم ہے کیونکہ انھوں نے اپنے والدین سے بھی عقائد کو اسی طریقے سے حاصل کیا ہے لہذا اس کے مطابق اپنے بچوں کو بغیر دلیل و برہان کے عقائد کی تعلیم دیتے ہیں، لہذا ان کا عقیدہ محکم و مستحکم نہیں ہو پاتا، دوسرے ایسے بعض خرافاتی اور بے بنیاد مسائل کو دین اسلام کا جز اور عقائد کی مہم کڑی کے عنوان سے فکر کرتے ہیں اور انھیں باطل عقیدوں کے ساتھ پرائمری پھر ہائی اسکول اور انٹر کالج اور اس کے بعد یونیورسٹی میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں اور یہاں پر وہ مختلف افراد، متفرق عقائد کے لوگوں سے سروکار رکھتے ہیں، چونکہ ان کے عقیدہ کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی اور خرافاتی چیزوں کو مذہب کا رکن سمجھتے ہیں اس لئے مختصر سے ہی اعتراضات اور شبہات میں پریشان و متحیر ہو جاتے ہیں، علمی معیار و عقائدی معلومات کی کمی کی وجہ سے حق و باطل، اچھے اور برے، غلط و صحیح میں تمیز دے نہیں پاتے جس کے نتیجہ میں اصل دین اور روح اسلام سے بدظن ہو جاتے ہیں، حیران و سرگردان زندگی بسر کرتے ہیں، یا کلی طور پر اسلام سے منھ موڑ لیتے ہیں، یا کم از کم ان کے اخلاق و رفتار اور اعمال پر اتنا گہرا اثر

پڑتا ہے کہ اب ان کے اعمال کی پہلی کیفیت باقی نہیں رہتی ہے اور احکام و عقائد سے لاپرواہو جاتے ہیں۔

اس طرح کی غلط تربیت اور اس کے اثر کو آپ معاشرے میں بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو ان بے چاروں کو ذلت و گمراہی کے اندھیرے سے نکالنے کی فکر کرے۔

ہماری ذمہ داری

عقیدہ کی کمزوری، اور بے دینی، آنے والی نسلوں کو ایک بڑے خطرے سے دوچار ہونے کی دھمکی دی ہی ہے، سماج کا ہر فرد اور خصوصا دین کے لیڈران، مولوی، ذاکرین، والدین، مربی، استاد، مصنفین و مؤلفین اور مالدار یہاں تک کہ سبھی حضرات اس عظیم فاجعہ اور بڑی مصیبت کے ذمہ دار ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ایک منظم اور صحیح پروگرام کے تحت عقائد و اخلاق کی تعلیم، دلیلوں کے ذریعہ سیدھے سادے افراد اور بچوں کے ذہن نشین کرائیں اور بے بنیاد، غلط ماحول اور رسم و رسومات کے خرافاتی عقائد کی بیخ کنی اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں، ان کے لئے آسان اور علمی کتابیں فراہم کریں، لائبریری بنائیں اور کم قیمت یا بغیر قیمت کے کتابیں ان کے اختیار میں قرار دیں، ہر ممکن طریقہ سے پڑھنے لکھنے کی طرف شوق و رغبت دلائیں۔

سر دست یہ کتاب حاضر جوانوں اور نوجوانوں کی دینی معلومات میں اضافہ کیلئے ترتیب دی گئی ہے، اور اس کے لکھنے میں مندرجہ ذیل نکات کی طرف بھر پور توجہ رکھی گئی ہے۔

۱۔ کتاب کے مطالب دلیل و برہان کی روشنی میں نہایت سادہ اور آسان انداز میں بیان کیئے گئے ہیں اور عقلی وعقائدی مطالب کے لئے عقلی دلیلوں کا ہی سہارا لیا گیا ہے اور جو چیزیں تقلیدی اور ضروریاتِ اسلام سے ہیں جیسے فروع دین وغیرہ تو ان میں آیات اور روایات کو مدنظر رکھا گیا ہے اور ضروری مقامات پر حوالے کو حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے، اور بعض جگہوں پر اختصار کے سبب حوالے سے دوری اختیار کی گئی ہے۔

۲۔ رسول خداؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی ولادت اور وفات کی تاریخوں میں چونکہ اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے اختصار کے طور پر فقط ایک قول کو منتخب کیا گیا ہے اور باقی اقوال سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

۳۔ مؤلفین کو چاہیے کہ اپنے علمی مطالب کو آسان اور سادہ انداز میں بیان کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ افراد استفادہ کر سکیں اور حتیٰ المقدور لکھنے میں اصولی و فلسفی اصطلاحوں سے گریز کیا جائے تا کہ کتاب لوگوں کو تھکانے اور مغزماری کا سبب نہ بنے۔

۴۔ مشکوک ومخدوش، بے فائدہ اور ضعیف مطالب سے اجتناب کیا گیا

ہے۔

۵۔اس کتاب میں ان مہم مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا جاننا ہر مسلمان پر واجب ہے اور دین اسلام کے مفہوم کو خلاصہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تا کہ قارئین دلچسپی کے ساتھ پڑھیں اور پھر تفصیلی کتابوں کی طرف مائل ہوں۔

قارئین کرام اس مختصر سی کتاب میں فروع دین اور عقائد و اخلاق کے تمام مسائل کو بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ نہایت اختصار ملحوظ خاطر تھا تا کہ آپ حضرات دوسری تفصیلی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

موجودہ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے

پہلا حصہ، عقائد: یعنی ایسے مطالب کو شامل ہے جو انسان کی عقل وفکر اور اعتقاد سے مربوط ہیں اور اصلاً اس میں کسی کی تقلید و پیروی کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ان کو فقط عقلی دلیلوں سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا حصہ، اخلاق: اس میں وہ چیزیں بیان ہوئی ہیں جو انسان کی باطنی حالت اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں، اس کے راہ حل اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔

تیسرا حصہ، فروع دین: یعنی احکام وقوانین جو انسان کے اعضاء و جوارح سے تعلق رکھتے ہیں، کہ ان پر عمل کرنا ضروری وواجب ہے۔

آخر میں ہم قارئین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کوئی اچھی تجویز ہو یا کوئی کمی نظر آئے تو مؤلف کی خدمت میں پیش کریں، تاکہ دوسرے اڈیشن میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

قم۔ حوزہ علمیہ۔ ابراہیم امینی

خرداد ۱۳۴۹

فصل اول

خدا کی پہچان

علم کی اہمیت

اسلام علم وعقل کا دین ہے مسلمانوں سے دلچسپی کے ساتھ علم حاصل کرنے کو چاہتا ہے، اسلام لوگوں کی اہمیت علم ودانش سے دیتا ہے اور حصول علم کو تمام لوگوں پر واجب ولازم جانتا ہے، خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرمایا: اے رسولؐ پوچھو! بھلا جاننے والے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ (۱)

اور خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: خدا مومنین کے مقام کو بلند کرتا ہے اور علماء کو سب سے بلند درجہ تک پہنچاتا ہے (۲)

رسولؐ خدا فرماتے ہیں: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے (۳)

---

(۱) سورہ زمر (۳۹) آیت ۹۔

(۲) سورہ مجادلہ (۵۸) آیت ۱۱۔

(۳) بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۷۷۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: عالم وہ ہے جو دوسروں کی معلومات اور اطلاعات سے فائدہ حاصل کرے اور اپنے علم میں اضافہ کرے.... پُر اہمیت شخص وہی ہے جس کے اعمال وحسنات زیادہ ہوں، اور لوگوں میں بے اہمیت وہ ہے جس کے پاس علم و آگہی نہ ہو(۱)

حضرت علی امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: علم سے بہتر کوئی خزانہ نہیں ہے(۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں تمھارے جوانوں کو دو حال میں پسند کرتا ہو یا علم حاصل کرنے والے یا تعلیم دینے والے ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو انھوں نے کوتاہی کی ہے، اور ہر کوتاہی کرنے والا عمر ضائع کرتا ہے اور عمر کو برباد کرنے والا گنہگار ہے اور گنہگار کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(۳)

حضرت باقر العلومؑ فرماتے ہیں: جو شخص حصول علم میں رات و دن سرگرم رہے وہ اللہ کی رحمت میں شریک ہے۔(۴)

حضرت سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا، اللہ کے نزدیک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے، جس کی ہر رات میں ہزار رکعت نماز پڑھی گئی ہو۔(۵)

---

(۱) بحارالانوار، ج ا ص ۱۶۴۔
(۲)۔ بحارالانوار ج ا ص ۱۶۵۔
(۳)۔ بحارالانوار ج ا ص ۱۷۰۔
(۴)۔ بحارالانوار ج ا ص ۱۷۴۔
(۵)۔ بحارالانوار ج ا ص ۲۰۳۔

خدا کی پہچان

خداوند عالم نے دنیا کو پیدا کیا اور اسے منظم طریقہ سے چلا رہا ہے، کوئی بھی چیز بغیر سبب کے وجود میں نہیں آتی ہے مثال کے طور پر اگر ہم کسی نئے گھر کو دیکھیں تو یقین کریں گے کہ اس کا بنانے والا، کارگر و مزدور اور نقشہ کھینچنے والا انجینیر کوئی ضرور ہوگا، یعنی یہ گھر انھیں افراد کی زحمات کا نتیجہ ہے کسی کے خیال میں بھی نہیں آئے گا کہ یہ خود بخود تیار ہوگیا ہوگا۔

اگر ہم ٹیبل پر قلم اور سفید کاغذ رکھ کر چلے جائیں اور واپسی پر دیکھیں کہ اس پر کسی نے لکھا ہے تو دیکھ کر ہمیں اطمینان سا ہو جائے گا کہ ہماری غیر موجودگی میں کوئی آیا تھا، اور اس پر اپنے آثار چھوڑ گیا ہے اگر کوئی کہے بھائی صاحب آپ کی غیر موجودگی میں یہ قلم خود ہی اس پر رواں ہوگیا اور اس نے یہ تمام چیزیں لکھ دی ہے تو ہم اس کی باتوں پر تعجب کریں گے اور اس کی بات غیر معقول قرار دینگے، اگر ہم کسی مقام پر خوبصورت تصویر بہترین پارک میں بنی ہوئی دیکھیں جو ہر ایک کا دل اپنی طرف لبھا

رہی ہو تو کیا ہمارے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ ہو نہ ہو یہ خود بخود بن گئی ہوگی۔

ہم گاڑی میں باتیں کرتے ہوئے چلے جارہے تھے اتفاق سے گاڑی رک گئی ڈرائیور کو اطمینان ہے کہ گاڑی بغیر وجہ کے نہیں رکے گی، کوئی نہ کوئی ضرور موٹر میں خرابی آئی ہے، اور بنانے کے لئے تمام کوششیں کر رہا ہے ہم کہیں بھائی ٹھہرو ابھی گاڑی خود بخود صحیح ہو کر چلنے لگے گی!

ہمارے ہاتھ کی گھڑی چلتے چلتے رک گئی ہم نے بنانے والے کو دیا، کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ابھی خود ہی سے ٹھیک ہو جائے گی۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی چیز کا وجود بغیر علت کے نہیں ہوتا ہے، اور اس کی تلاش ہر شخص کو ہوتی ہے، اب میں آپ سے سوال کروں یہ اتنی بڑی طویل و عریض دنیا بغیر کسی پیدا (بنانے والے) کرنے والے کے پیدا ہو گئی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے، اتنی بڑی اور منظم دنیا پھیلے ہوئے دریا، چمکتے ہوئے ستارے اور دمکتا ہوا سورج یہ رات دن کا آنا جانا، فصلوں کی تبدیلی، درختوں کے شباب، گلوں کے نکھار بغیر کسی بنانے والے کے نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں نظم و ترتیب

اگر ہم ایک ایسی عمارت دیکھیں جو نہایت منظم اور با ترتیب بنی ہوئی ہو کہ اس کے اجزا آپس میں اچھی طرح خوب ملے ہوئے ہوں اور اس میں رہنے

والوں کیلئے تمام ممکن ضروریات کی چیزیں بھی باقاعدہ اپنی اپنی جگہ پر فراہم ہو یعنی اس میں کسی طرح کا کوئی عیب ونقص نظر نہ آرہا ہوا جالے کے لئے بجلی، پینے کے لئے بہترین پانی، سونے کے لئے کمرہ، کچن، مہمان خانہ، حمام، پیشاب خانہ اور جاڑے میں گرم کرنے کے لئے ہیٹر، گرمی میں سرد کرنے کے لئے (AC) اور کولر بہت ہی نظافت سے پانی کے پائپ اور بجلی کے تار پھیلے ہوئے ہوں، اور اس کی بناوٹ میں ڈاکٹری پہلوؤں پر خاص توجہ دی گئی ہو، سورج کی ٹکیا پورے طور پر اس گھر میں نور چھڑک رہی ہو، جب ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں تو ہماری عقل فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ یہ ہر لحاظ سے منظم گھر خود بخود نہیں بنا ہوگا، بلکہ اس کے بنانے اور سنوارنے والا کوئی باہوش مدبر، دقت بیں، نہایت ظرافت سے نقشہ کے مطابق بنایا ہے۔

اس مثال کے ذکر کے بعد چاہتا ہوں کہ اپنی روزانہ کی زندگی پر آپ لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے پانی اور کھانے کا محتاج ہے کہ کھانا کھائے اور پانی پیئے اور بدن کے خلیوں (CELLES) کی ضروریات کو پورا کرے تا کہ بدن کے تمام خلیہ زندہ اور اپنے کاموں میں مشغول رہکر ہماری زندگی کو اچھی طرح قائم ودائم رکھیں، ضروری ہے کہ مختلف انواع کے کھانے کھائیں اور ان کو فوت ہونے سے بچائیں ورنہ انھیں کے ساتھ زندگی کے چراغ مدھم ہونا شروع ہو جائیں گے۔

انسان اپنی زندگی کے لئے مفید ہوا کا نیاز مند ہے تا کہ اس کو جذب کرے اور داخلی جراثیم کو باہر نکال کر حیات کو تازگی بخشے، آپ ملاحظہ کریں، کس طرح ہماری زندگی کو بہترین بنانے کے لئے ضروریات کی تمام چیزیں خارج میں موجود ہیں اگر کھانا تلاش کریں تو مختلف انواع واقسام کے کھانے موجود ہیں اگر زندگی کے لئے گیہوں، چاول، سبزی، پھل اور گوشت وغیرہ کی تلاش ہو تو تمام کی تمام چیزیں خارج میں موجود ہیں، اگر پانی یا ہوا کی ضرورت ہو تو باہر موجود ہے پاؤں ہوں تو کھانے کی تلاش میں نکل سکتے ہیں آنکھیں ہوں تو مناسب اچھی غذائیں دیکھ سکتی ہیں اور ہاتھ ہوں تو اٹھا سکتے ہیں، اور پیدا کرنے والے نے ہاتھ کو بھی کیا خلق کیا ہے کہ پورے طور پر ہمارے اختیار اور ہماری ضروریات کو مختلف انداز میں پورا کرنے کے لئے تیار ہے جس طرح اور جس وقت چاہیں اٹھائیں بیٹھائیں فقط ہمارے ارادہ کے محتاج ہیں، جیسا ارادہ ہو ویسا کریں، بند کرنا چاہیں تو کھلے نہ، اور کھولنا چاہیں تو بند نہ ہو، کس قدر تعجب خیز ہے ہاتھوں کی بناوٹ اور اس میں انگلیوں اور ہتھیلیوں کی ظرافت، ہونٹوں کو پیدا کیا تا کہ منھ کو بند رکھیں لقمہ باہر آنے سے محفوظ رہے۔

مشکل ترین مسئلہ یہ ہے کہ بدن کی ضروری غذائیں جو رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے ساتھ پائی جاتی ہیں کیا یہ اتنی آسانی سے بدن کے خلیوں کے لئے لائق استفادہ ہو سکتی ہیں؟ ہر شخص کہہ سکتا ہے، نہیں بلکہ اس میں بہترین طریقہ سے تغیر وتبدیلی واقع ہو، تا کہ وہ بدن کے استفادہ کے مطابق ہو سکے، انسان کی داخلی مشینری

(Machinery) غذا کو چار مرحلہ کے بعد ہضم کے لائق بناتی ہے لہذا (بطور عبرت) خلاصۂ قارئین کے پیش خدمت ہے۔

پہلا مرحلہ: خداوند عالم نے ہمارے منھ میں دانت جیسی نعمت دی جو غذا کے مطابق لقمہ کو چبا کر ریزہ ریزہ کرنے کے کام آتے ہیں، اور زبان میں حرکت عطا کی تاکہ لقمہ کو مناسب دانتوں کی طرف ہدایت کرے اور منھ کے اندر بعض حصوں کو ایسا منزہ بنایا جو کھانے کے ذائقہ اور اس کی اچھائی وخرابی، مٹھاس اور تلخی کو دماغ کی طرف منتقل کرتے ہیں، اور اسی لقمہ (غذا) کے مطابق، مرطوب اور نرم کرنے کے لئے مخصوص پانی چھوڑتے ہیں، تاکہ وہ لقمہ آسانی سے چبانے اور نگلنے کے لائق ہو جائے اس کے علاوہ یہ منھ کے پانی غذا کو ہضم کرنے میں کافی مدد کرتے ہیں اور خود اس کے اندر شیمیائی اور کیمیائی طاقتیں بھرپور پائی جاتی ہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب دانت اپنے کام سے فارغ ہو جائے یعنی لقمہ نگلنے کے لائق ہو جائے تو غذا منھ کے راستہ کے ذریعہ معدہ میں پہونچ جاتی ہے، لقمہ کو نیچے جاتے وقت چھوٹی زبان (کوا) ناک اور سانس کے سوراخ کو بند کر دیتی ہے اور اس مخصوص پردہ کے ذریعہ ناک وسانس کے راستے کو بن کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کھانا ناک کے سوراخ میں نہ چلا جائے۔

تیسرا مرحلہ: کھانا کچھ دیر معدہ میں رہتا ہے تاکہ وہ ہضم کی صلاحیت پیدا کرلے، معدہ کی دیواروں میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے غدود پائے جاتے ہیں جس

سے خاص قسم کا سیال پانی نکلتا ہے لہذا اس کے ذریعہ کھانا ہضم اور بہنے والے پانی کے مانند ہو جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ: غذا پتلی نالیوں کے ذریعہ (آنت) پت کی تھیلی میں جاتی ہے اور وہاں پر بڑا غدود جس کو (لوزالمعدہ) کہتے ہیں، جس سے مخصوص قسم کا، سیال اور غلیظ پانی نکلتا ہے جو غذا کو ہضم کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے، کھانا آنت میں بہنے والی چیزوں کی طرح رہتا ہے، اوراس آنت کی دیواروں پر لگے ہوئے غدود اس سے غذائی مواد حاصل کرتے ہیں، اوراس مواد کو خون کی صورت میں تبدیل کر کے تمام بدن میں پہنچاتے ہیں اور دل جو برابر حرکت میں رہتا ہے، ان قیمتی مواد کو خون کے ذریعہ بدن کے تمام حصوں میں بھیجتا ہے اوراس طریقہ سے انسان کے بدن کے تمام خلیے اپنی اپنی غذائیں حاصل کرتے ہیں۔

توجہ کی بات ہے کہ انسان کے عضلات اور دنیا کی چیزوں میں کس قدر ارتباط اور رابطہ پایا جاتا ہے، کیا اب بھی کسی میں ہمت ہے جو کہے یہ دنیا خود بخود پیدا ہوگئی ہے!

اگر ہم اپنے بدن کی ساخت پر نظر ڈالیں اور اعضائے بدن کے اندر جو دقیق وعمیق ریزہ کاری اور باریک بینی کا مظاہرہ کیا گیا ہے غور وفکر کریں تو تعجب کی انتہا باقی نہ رہے گی کہ اس بدن کے اجزا اور دنیاوی چیزوں کے درمیان کیسا گہرا تعلق اور رابطہ پایا جاتا ہے جس سے ہمارے لئے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ انسان

اور دوسری تمام چیزیں، خود بخود وجود میں نہیں آئی ہیں۔

بلکہ پیدا کرنے والے نے بہت ہی تدبیر اور ذرہ بینی اور تمام ضروریات کو مدنظر رکھنے کے بعد خلق فرمایا ہے، کیا خدا کے علاوہ کوئی ہو سکتا ہے جو انسان اور دنیا کے درمیان اتنا گہرا رابطہ پیدا کر سکے؟ کیا طبیعت جس میں کوئی شعور نہیں ہے انسان کے ہاتھوں کو اس طرح موزوں اور مناسب خلق کر سکتی ہے؟ کیا طبیعت کے بس کا ہے جو انسان کے منھ میں ایسا غدود رکھے جس سے انسان کا منھ ہمیشہ تر و تازہ بنا رہے؟ کیا چھوٹی زبان (کوا) جو سانس اور ناک کے مقام کو ہر لقمہ اور ہر قطرہ پانی سے محفوظ رکھتی ہے خود بخود بن جائے گی؟ کیا یہ معدہ کے غدود جو غذا کے لئے ہاضم بنتے ہیں خود بخود خلق ہوئے ہیں؟ وہ کونسی چیز ہے (لوز المعدہ) جو بڑے غدود کو حکم دیتی ہے کہ وہ سیال اور غلیظ پانی کا غذا پر چھڑکاؤ کرے؟ کیا انسان کے دو عضو اپنے فائدہ کا خود خیال رکھتے ہیں؟ وہ کیا چیز ہے جو دل کو مجبور کرتی ہے کہ وہ رات و دن اپنے وظائف کو انجام دے اور پروٹین (Protein) حیاتی ذرّات کو بدن کے تمام حصوں میں پہنچائے؟ ہاں، خداوند عالم کی ذات ہے جو انسان کے عضلاتی مجموعے کو صحیح طریقہ اور اصول پر منظم رکھتے ہیں۔

بچپنے کا زمانہ

اب ہم اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر ڈالیں، جب ہم نے

دنیا میں آنکھیں کھولیں، تو اتنے لاغر و کمزور تھے کہ بات کرنے کی بھی تاب نہیں رکھتے تھے چل کر معاش فراہم کرنا کیسا؟ ہمارے ہاتھوں میں تو لقمہ اٹھانے کی طاقت نہیں تھی جو اٹھاتے اور منھ میں رکھتے، منھ میں کیا رکھتے کہ چبانے کے لئے دانت نہیں تھا، معدہ میں ہضم کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی، اس حال میں سب سے بہترین غذا خداوند عالم نے دودھ کو ہمارے لئے قرار دیا۔

جب ہم نے دنیا میں آنکھیں کھولی تو خدا نے اس سے پہلے ہی ماں کے سینہ میں ہماری غذا رکھ چھوڑی تھی، اس کے دل میں ہماری محبت اور الفت کی جگہ دی تاکہ رات و دن کے ہر لحات میں ہمارے لئے زحمت و مشقت برداشت کرے، ہماری زندگی کو اپنی زندگی ہمارے آرام کو اپنے لئے آرام سمجھے جب تھوڑا بڑے ہوئے ہاتھ پاؤں آنکھ کان اور معدہ کی قوت کے سبب سنگین غذاؤں کی طرف ہاتھ بڑھانا اور معمولی دانتوں سے کھانا شروع کیا۔

انصاف کریں

کس نے ہمارے لئے محبت پیدا کی؟ اور ہمارے بچپنے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ماں جیسی شفیق و مہربان خاتون بنایا؟ کس نے اس وسیع و عریض دنیا، چمکنے والے ستارے سورج اور چاند کو خلق کیا؟ کس نے اس دنیا کو منظم و مرتب پیدا کیا؟ کس نے زمین اور چاند کو عمیق حسابوں سے رواں دواں کیا؟ یہ جاڑے، گرمی،

برسات اور خزاں کو کس نے معین فرمایا؟!

آنکھ، کان، زبان، معدہ، دل، کلیجہ، آنت، پھیپھڑا، ہاتھ، پاؤں، دماغ اور دوسرے تمام بدن کے عضلات اس مہارت سے کام کرنے والے کس نے بنائے ہیں؟

کیا ممکن ہے بے شعور و بے ارادہ طبیعت، حیوان وانسان کے اعضا کو پیدا کرنے کی علت بن سکتی ہے؟ جب کی آنکھ جیسا حصہ، نہات دقت و باریک بینی کو گھیرے ہوئے ہے نہیں ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے بلکہ خدائے مہربان نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے، خدا ہی ہے جو بندوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کے لئے تمام نعمتوں کو پیدا کرتا ہے ہم خدا کو چاہتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی و فروتنی سے سر جھکاتے ہیں، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ کسی کو مستحق عبادت و اطاعت نہیں جانتے، اور اپنے سر کو دوسروں کے سامنے عاجزی و ذلت سے نہیں جھکاتے ہیں۔

ہر موجود کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے

ہم جن چیزوں کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں اس کے وجود اور موجود ہونے میں کیسے فکر کریں؟ اس مطلب کو ہم اپنے وجدان سے درک کرسکتے ہیں کہ یہ موجود خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے موجود کے لئے وجود، عینِ ذات نہیں ہے مقام ذات میں

وجود وعدم سے خالی ہے اور وجود وعدم دونوں ہی اس کو چاہتے اور یہ دونوں کی قابلیت رکھتے ہیں ایسے موجود کو ممکن کہتے ہیں مثلاً پانی پر توجہ کریں ہم وجداناً کہیں گے کہ پانی درحقیقت نہ وجود ہے اور نہ ہی عدم، نہ بالذات وجود چاہتا ہے اور نہ عدم بلکہ دونوں کی نسبت مقام اقتضا اور خواہش ہے وہ چاہے وجود کو لے کر موجود ہو جائے اور چاہے تو عدم ہی رہے۔ پانی کی طرح دنیا کی تمام چیزیں مقام ذات میں اپنے وجود وعدم سے خالی ہیں یہاں پر ہماری عقل کہتی ہے موجودات چونکہ مقام ذات میں خود یہ وجود نہیں رکھتی ہیں، اگر چاہیں تو وجود میں آجائیں تو چاہیے کہ ایک دوسرا عامل ہو جو اس کے نقائص اور کمی کو دور کرے تاکہ وہ چیز موجود اور ظاہر ہو سکے۔

مقام ذات میں تمام موجودات فقیر اور ضرورت مند ہیں جب تک کہ ان کی احتیاج پوری نہ ہو ان پر وجود کا لباس نہیں آسکتا ہے اور وہ چیز موجود نہیں ہو سکتی ہے، تمام دنیا چونکہ اپنی ذات میں کمی ونقص رکھتی ہے اور خود مستقل اور اپنے پیروں پر نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے، تو چاہیے ایک کامل مستقل اور بے نیاز وجود رکھنے والا جس کا وجود خود عین ذات ہو، اور اس کے لئے ممکن ہونے کا تصور بھی محال ہو، آئے اور اس کو وجود کا لباس پہنائے ایسے وجود کامل کو واجب الوجود اور خدا کہتے ہیں، خدا کی ذات عین وجود ہے اور اس کے لئے عدم ونابودی اصلاً متصور نہیں ہے، یعنی خود اس کا وجود عین ذات اور مستقل ہے (جیسے دال نمکین ہے نمک کی وجہ سے اور نمک خود اپنی وجہ سے نمکین ہے) اور تمام دنیا اور موجودات اس کے ضرورت مند ومحتاج ہیں اور اسی سے اپنا وجود حاصل کرتے ہیں۔

خدا کے صفات

خدا کے صفات: اللہ کے صفات کو کلی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے(۱) صفات ثبوتیہ یا جمالیہ (۲) صفات سلبیہ یا جلالیہ۔

صفات ثبوتیہ:

ہر وہ صفت جو اصل وجود کے کمال اور اس کی اہمیت میں اضافہ اور اس کی ذات کو کامل کرنے کے لئے لائی جائے اس شرط کے ساتھ کہ موصوف اور ذات میں کوئی تغیر و تبدیلی لازم نہ آئے، ان صفات کو جمالیہ یا صفات ثبوتیہ کہتے ہیں جیسے علم و قدرت حیات و تکلم۔

ان صفات کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے آسان سی مثال دیتے ہیں، اگر ہم دو آدمیوں میں علم و جہل کے عنوان سے تقابل کریں تو اس مطلب کو بخوبی درک کر سکتے ہیں کہ جاہل کے مقابلے میں عالم پُر اہمیت اور فائدہ بخش ہے، لہذا یہ عالم جاہل کے مقابلے میں برتری و فضیلت کا پہلو رکھتا ہے لہذا ہم فیصلہ کریں گے کہ کمالات کے

صفات میں ایک علم بھی ہے، اور ایسے ہی دوسری صفتوں کو مقایسہ کرنے پر حقیقت و برتری صفات جمالیہ کی کھل کر روشن ہو جائیگی اور یہ تمام صفات اس کے لئے ثابت ہیں، اس مطلب کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم دو دلیلوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: خداوند عالم نے خیر و خوبی اور اچھائیوں کو لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ انسان اپنے وجود میں خدا کا محتاج ہے ایسے ہی اپنے صفات اور وجودی کمالات میں بھی اسی کا محتاج ہوتا ہے، خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا، لیکن اپنی بقا میں انسان مستقل وجود نہیں رکھتا ہے، تمام خیر و خوبیوں کو خدا نے انسان کے لئے پیدا کیا، مگر خود یہ خوبیاں اپنی بقا میں مستقل وجود نہیں رکھتی ہیں معلوم ہوا خواہ ذات ہوں اور خواہ صفات ہر حال میں اسی کی محتاج ہیں (بے نیاز نہیں ہیں) لہٰذا خدا ہی ان صفات کمال و جمال کا پیدا کرنے والا ہے۔

اگر ہم تھوڑا دھیان دیں تو یہ حقیقت کھل کر آشکار ہو جائے گی کہ خدا نے انسان کے لئے تمام کمالات کو پیدا کیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کمالات سے اپنے کو خالی رکھے، یا اس کے پاس موجود نہ ہو اگر اس کے پاس نہ ہوگا تو دوسروں کو کیسے دے سکتا ہے (فاقد الشیء لا یعطی الشیء) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خدا کے پاس تمام کمالات و خوبیاں موجود ہیں، اور اسی نے لوگوں کے لئے ان صفات کو قرار دیا ہے، جب تک چراغ روشن نہ ہو، دوسروں کو روشن نہیں کرسکتا جب تک پانی خود تر نہ ہو دوسری چیزوں کو تر نہیں کرسکتا ہے۔

دوسری دلیل : ذات پروردگار عالم مطلق ہے یعنی اس کی ذات میں کسی طرح کی قید وحد اور نقص نہیں پایا جاتا ہے جب وہ محدود و ممکن نہیں ہے تو وہ کسی کا محتاج بھی نہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو کسی دوسرے سے لیا ہے اس لئے کہ محتاج و ضرورت مند وہ ہوتا ہے جو محدود ہو یا جس میں کمی پائی جاتی ہو لیکن خدا کی ذاتِ مطلق تام وکامل و واجب الوجود ہے لہٰذا جو صفت بھی کمال کے اوپر دلالت کرے گی خداوند عالم کے لئے ثابت ہے اس سے خدا کی ذات محدود یا مقید نہیں ہوتی، بلکہ اس صفات کا خدا میں نہ پایا جانا اس کی ذات میں نقص کا باعث ہے کیونکہ ان صفات کمالیہ کا خداوند عالم میں نہ پایا جانا ضرورت اور احتیاج کا سبب ہے، جب کہ خدا کی ذات واجب الوجود اور بالذات بے نیاز ہے۔

صفات ثبوتیہ: خداوند عالم میں پائی جانے والی صفتیں یہ ہیں:

۱۔ قدرت: خدا قادر ہے یعنی جس کام کو انجام دینا چاہے انجام دیتا ہے کسی کام کے کرنے پر مجبور اور عاجز نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدرت کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہے بلکہ اس کی قدرت حد بندی سے خالی ہر جگہ موجود ہے۔

۲۔ علم: خدا عالم ہے یعنی تمام چیزوں کو جاننے والا اور تمام موجودات پر احاطہ وقدرت رکھنے والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ بندوں کے افکار وخیالات سے بھی واقف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے ہے۔

۳۔حیات: خدا حی ہے خداوند عالم اپنے کاموں کو علم وارادہ وقدرت سے انجام دیتا ہے خدا انسانوں کی طرح سانس کے آنے اور جانے کے مثل زندہ نہیں ہے وہ چونکہ اپنے کام کو علم وارادہ اور قدرت سے انجام دیتا ہے اس لئے اس کو حی کہتے ہیں۔

۴۔ارادہ: خدا مرید ہے اپنے کاموں کو قصد وارادہ سے انجام دیتا ہے آگ کی طرح نہیں کہ بغیر ارادہ جلادے خداوند عالم کا وجود، وجودِ کامل ہے جو اپنے ارادہ سے کام کو انجام دیتا ہے، مثلِ فاعل مجبور اور بے ارادہ نہیں ہے۔

۵۔بصیر ہے: خداوند عالم دیکھنے والا ہے تمام پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھنے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۶۔سمیع ہے: خدا سننے والا ہے تمام سننے والی چیزوں کو سنتا ہے کسی چیز سے غافل نہیں ہے۔

۷۔قدیم وابدی ہے: قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے ابدی یعنی ہمیشہ رہے گا اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

۸۔متکلم ہے: حقیقت کو دوسروں کے لئے اظہار اور اپنے مقصد کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

ان صفات کو صفات ثبوتیہ یا جمالیہ کہتے ہیں جو خداوند عالم میں موجود اور اس کی عین ذات ہیں۔

یاد دہانی

چونکہ ہم ناقص ہیں اس لئے ہم اپنے کام کو بغیر کسی آلات، کے انجام نہیں دے سکتے قدرت و طاقت کے باوجود بھی اپنے اعضا و جوارح کے محتاج ہیں سننے کی طاقت کے باوجود کان کے ضرورت مند ہیں دیکھنے کی طاقت کے ہوتے ہوئے آنکھ کے محتاج ہیں، چلنے کی طاقت کے ہوتے ہوئے بھی پاؤں کے نیاز مند ہیں۔ خداوند عالم کی ذات جو کمال مطلق کی حامل ہے وہ کسی کام میں دوسروں کی محتاج نہیں ہے، لہذا خداوند عالم قادر مطلق بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے، بغیر کان کے سنتا ہے، بغیر اعضا و جوارح (جسم وجسمانیت سے خالی) کے تمام کام کو انجام دیتا ہے، ہر ایک کی بگڑی بناتا ہے۔

ہمارے خیال میں دیکھنے اور سننے کے لئے فقط آنکھ، کان ہی کی راہ پائی جاتی ہے، لہذا جس کا کان صحیح اور آنکھ دیکھنے والی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ دیکھتا اور سنتا ہے، ورنہ اندھا و بہرہ ہے۔

لیکن دیکھنے اور سننے کی اس کے علاوہ بھی راہ پائی جاتی ہے اور در حقیقت وہی اصل دیکھنا اور سننا ہے اگر آنکھ کے وسیلہ سے دیکھا تو کیا دیکھا، کان کے ذریعہ سے سنا تو کیا سنا، خدا کسی بھی وسیلہ و اسباب کا محتاج نہیں ہے، لہذا بغیر وسیلہ کے سنتا اور دیکھتا ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

ہم محدود ومحتاج ہیں لہذا ہر کام میں کسی کے محتاج ہیں اگر اس دائرہ سے باہر ہوں یعنی محدود وناقص نہ ہوتے تو ہم بھی بغیر آنکھ کے تمام چیزیں دیکھتے، اور بغیر کان کے تمام آوازیں سنتے اور کہا جائے کہ سننے اور دیکھنے کی حقیقت دراصل اس پر صادق آتی ہے، جیسے ہم خواب میں بغیر آنکھ وکان کے دیکھتے اور سنتے اور تمام کام انجام دیتے ہیں۔

مگر خداوند عالم کی ذات والا صفات جو نہایت درجہ کمال اپنے وجود میں رکھتا ہے، اس کی بنائی ہوئی تمام چیزیں، اس کا ہر ایک کام، بے عیب ونقص ہے کیونکہ وہ کامل ہے اس کے افعال بھی حد درجہ کمال رکھتے ہیں۔

خدا کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ

صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) صفات ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ: ان صفات کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ خدا کی ذات کے لئے ثابت ہیں اور اس کی ذات کے علاوہ کسی چیز پر موقوف نہیں ہے، ان کو صفات ذاتیہ کہتے ہیں جیسے علم وقدرت وغیرہ۔

یہ صفات ذاتیہ ہمیشہ خدا کے ساتھ ہیں بلکہ اس کی عین ذات ہیں ان کا ثبوت کسی دوسرے وجود پر موقوف نہیں ہے خدا کی ذات عالم تھی دنیا کو خلق کرنے سے پہلے قادر ہے چاہے کسی چیز کو نہ پیدا کرے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا موجودات رہیں یا نہ رہیں، اس کا علم وقدرت وحیات وغیرہ سب عینِ ذات ہیں، کبھی بھی اس کی ذات ان صفات کمالیہ سے خالی نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے کہ وہ عین ذات ہے، ورنہ خدا کی ذات کا محدود و ناقص اور محتاج ہونا لازم آئے گا جو خدا کی ذات سے بعید ہے۔

صفات فعلیہ: ان صفات کو کہتے ہیں جو خداوند عالم کے بعض کاموں سے اخذ کی جاتی ہیں جیسے رازق وخالق اور جواد وغیرہ، جب اس نے موجودات کو خلق کیا تو خالق پکارا گیا، جب مخلوقات کو رزق عطا کیا تو رازق کہا گیا، جب بخشش و کرم کا عمل انجام دیا تو جواد ہوا، جب بندوں کے گناہوں اور عیبوں کو پوشیدہ اور معاف کیا تو غفور کہلایا، اس طرح کے صفات خدا اور بندوں کے درمیان ایک خاص قسم کے رابطہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ایک حدیث

حسین بن خالد بیان کرتے ہیں: میں نے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا: آپ ارشاد فرما رہے تھے: خدا ہمیشہ سے قادر اور عالم وحی ہے، میں نے عرض کی یا بن رسولؐ اللہ! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم خدا زائد بر ذات ہے، قادر ہے مگر زائد بر ذات ہے، زندہ ہے مگر زائد بر ذات ہے، قدیم ہے مگر قدیم زائد بر ذات ہے، ایسے ہی سمیع و بصیر دیکھنے اور سننے والا ہے، مگر دیکھنا اور سننا زائد بر ذات ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جس شخص نے خدا کے ان صفات کو زائد بر ذات جانا وہ مشرک ہے اور وہ ہمارا پیروکار اور شیعہ نہیں ہے، خدا ہمیشہ سے عالم و قدیم حی قادر اور سمیع و بصیر ہے (اور رہے گا) لیکن اس کی ذات اور یہ صفات عین ذات ہیں۔(۱)

---

(۱) بحار الانوار ج۴، ص۶۲۔

صفات سلبیہ

ہر وہ صفات جو یہ بیان کرے کہ اس کی ذات نقص وعیب سے پاک ومبرا ہے اسے صفات سلبیہ کہتے ہیں، خداوند عالم کی ذات کامل اور اس میں کوئی عیب و نقص نہیں پایا جاتا ہے، لہذا ہر وہ صفات جو نقص یا عیب خداوند عالم پر دلالت کرے ان صفات کو سلب اور جدا کرنا ضروری ہے۔

صفات سلبیہ یا جلالیہ یہ ہیں

(۱) خدا مرکب نہیں ہے: ہر وہ چیز جو دو جز یا اس سے زائد اجزا سے مل کر بنے اسے مرکب کہتے ہیں، اور خدا مرکب نہیں ہے اور نہ اس میں اجزا کا تصور پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر مرکب اپنے اجزا کا محتاج ہے اور بغیر اس اجزا کے اس کا وجود میں آنا محال ہے، اگر اللہ کی ذات بھی مرکب ہو تو، مجبوراً اس کی ذات ان اجزا کی ضرورتمند ہوگی، اور ہر وہ ذات جو محتاج، ناقص اور بہت سے اجزا کا مجموعہ ہو، وہ واجب الوجود اور خدا نہیں ہو سکتی۔

دوسرے: ہر مرکب علت کا محتاج ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے اجزائے ترکیبیہ ملیں اور اس کو تشکیل دیں، پھر علت آ کر اس کو وجود میں لائے اگر خدا ایسا ہے تو اس کو اپنے وجود میں علت اور اجزائے ترکیبیہ کا محتاج ہونا لازم آئے گا، لہٰذا جو ذات ناقص اور اپنے وجود میں علت کی محتاج ہو، وہ واجب الوجود خدا نہیں ہو سکتی۔

(۲) خدا جسم نہیں رکھتا: اجزا سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں، اور اوپر بیان ہوا کہ خدا مرکب نہیں ہے، لہٰذا وہ جسم بھی نہیں رکھتا ہے۔

دوسرے: ہر جسم کے لئے ایک جگہ و مکان کا ہونا ضروری ہے، اور بغیر مکان کے جسم نہیں رہ سکتا، جب کہ خداوند عالم خود مکان کو پیدا کرنے والا ہے اس کا ضرورتمند و محتاج نہیں ہے اگر خدا جسم رکھے اور مکان کا محتاج ہو تو وہ خدا واجب الوجود نہیں ہو سکتا ہے۔

(۳) خدا مرئی نہیں: خدا دکھائی نہیں دے سکتا ہے، یعنی اس کو آنکھ کے ذریعہ کوئی دیکھنا چاہے تو ممکن نہیں، اس لئے کہ دکھائی وہ چیز دیتی ہے جو جسم رکھے اور خدا جسم نہیں رکھتا ہے لہٰذا اس کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

(۴) خدا جاہل نہیں ہے: جیسا کہ صفات ثبوتیہ میں بیان ہوا، خدا ہر چیز کا عالم ہے، اور اس کے علم کے لئے کسی طرح کی قید و شرط و حد بندی نہیں ہے، اور جہالت و نادانی عیب و نقص ہے اور خداوند عالم وجود مطلق عیب و نقص سے پاک ہے۔

(۵) خدا عاجز و مجبور نہیں: پہلے بھی صفات ثبوتیہ میں گذر چکا ہے کہ خدا ہر کام کے کرنے پر قادر اور کسی بھی ممکن کام پر مجبور و عاجز نہیں ہے اور اس کی قدرت کے لئے کسی طرح کی کوئی مجبوری نہیں ہے اسلئے کہ عاجزی و مجبوری نقص ہے اور خدا کی ذات تمام نقائص سے مبرا و منزہ ہے۔

(۶) خدا کیلئے محل حوادث نہیں: خداوند عالم کی ذات میں کسی طرح کی تبدیلی و تغییر ممکن نہیں ہے جیسے کمزوری، پیری، جوانی اس میں نہیں پائی جاتی ہے، اس کو بھوک، پیاس، غفلت اور نیند نیز خستگی وغیرہ کا احساس نہیں ہوتا، اسلئے یہ تمام چیزیں جسم و مادہ کے لئے ضروری ہیں اور پہلے گذر چکا ہے کہ خدا جسم و جسمانیات سے پاک ہے لہذا خدا کی ذات محل حوادث یعنی تغیر و تبدیلی کی حامل نہیں ہے۔

(۷) خدا کا شریک نہیں: اس مطلب کی دلیلیں توحید کی بحث میں ذکر کی جائیں گی۔

(۸) خدا مکان نہیں رکھتا: خداوند عالم کسی جگہ پر مستقر نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ ہی آسمان میں کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا، اس لئے مکان کا محتاج نہیں ہے۔

خدا نے مکان کو پیدا کیا، اور خود ان مکانات سے افضل و برتر، نیز تمام موجودات پر احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی جگہ اس کے وجود کو نہیں گھیر سکتی وہ تمام جگہ اور ہر چیز پر تسلط رکھتا ہے، اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ اس کا اتنا بڑا جسم ہے، جو اس طرف سے لے کر اس طرف تک پورا گھیرے ہوئے ہے، بلکہ اس کا وجود، وجود مطلق

ہے یعنی اس میں جسم وجسمانیات کا گذر نہیں ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی قید وشرط (یہاں رہے یا اس وقت وہاں رہے) پائی جاتی ہے لہذا کسی جگہ کا وہ پابند نہیں تمام موجودات پر احاطہ رکھتا ہے، کوئی چیز اس کے دست قدرت سے خارج نہیں ہے، لہذا اس کے لئے یہاں اور وہاں کہنا درست نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دعا کے وقت ہاتھوں کو کیوں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟ آسمان کی طرف ہاتھوں کے اٹھانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم کی ذات والاصفات آسمان پر ہے، بلکہ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرنے سے مراد درگاہ خدا میں فروتنی وانکساری وعاجزی وپریشانی کے ساتھ سوال کرنا ہے۔

مسجد اور خانہ کعبہ کو خدا کا گھر کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ وہاں پر خدا کی عبادت ہوتی ہے، اور خدا نے اس مقام کو اور زمینوں سے بلند وبرتر ومقدس بنایا ہے (جیسے خداوند عالم نے مومن کے دل (قلب) کو اپنا گھر کہا ہے اور کہتا ہے خدا ہر جگہ و ہر طرف موجود ہے، (فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجهُ اللّٰهِ)(۱)

(۹) خدا محتاج نہیں: خداوند عالم کسی شی کا محتاج نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ذات ہر جہت سے کامل وتام ہے اس میں نقص اور کمی موجود نہیں ہے جو کسی چیز کا محتاج ہو اور اگر محتاج ہے تو پھر واجب الوجود خدا نہیں ہو سکتا ہے۔

---

(۱) لہذا تم جس جگہ بھی قبلہ کا رخ کرلو گے سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔ سورۂ بقرہ (۲) آیت ۱۱۵۔

پھر خداوند عالم نے ہمارے لئے روزہ و نماز جیسے فریضہ کو کیوں واجب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ خدا کی ذات ناقص ہے اور ان عبادتوں کے ذریعہ اپنی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے، بلکہ خدا کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ انسان عبادت کرے اور اپنے نفس کو نورانی اور کامل کر کے اس کی ہمیشہ آباد رہنے والی جنت کے لائق ہو جائے۔

خدا جو ہم سے چاہتا ہے کہ ہم خمس و زکواۃ و صدقہ دیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا غریب و فقیر، ضرورتمندوں کی مدد اور ان پر احسان کرنا چاہتا ہے، تاکہ لوگ نیکی و احسان میں آگے آگے رہیں، اس وجہ سے نہیں کہ ہماری معمولی اور مادی مدد سے وہ خود اپنی ضرورت کو پورا کرے کیونکہ خود یہ خمس و زکات اور صدقات ہمارے سماج کی اپنی ضرورت ہے اور لوگوں کے فائدے کے مدنظر بعض کو واجب قرار دیا اور بعض کو مستحب، لیکن ہر ایک کا مصرف انھیں ضرورتمند افراد کو قرار دیا ہے، قطع نظر ان چیزوں کے، اگر ہم غور و فکر کریں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا مجبوروں اور غریبوں پر احسان و مدد کرنا اور سماج کی ضروریات کو پورا کرنا (جیسے مسجد و امام بارگاہ و مدرسہ کی تعمیر کرنا) خود ایک بہترین عبادت اور نفس کو منزل کمال پر پہنچانے اور آخرت میں منزل مقصود تک پہونچنے کا بہترین راستہ ہے۔

(۱۰) خدا ظالم نہیں: اس کی دلیل عدل کی بحث میں ذکر کی جائیگی۔

توحید

اللہ تبارک وتعالی ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی خالق اور پیدا کرنے والا نہیں اور نہ ہی اس نے کسی کی مدد سے خلق کیا ہے اسی سلسلہ میں چند دلیلوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلی دلیل:

اگر دو خدا (یا اس سے زیادہ) ہوتے تو چند حالتیں ممکن ہیں۔

پہلی حالت یہ کہ دونوں نے (دنیا) موجودات کو مستقل علیحدہ علیحدہ خلق کیا ہے، دوسری حالت یہ کہ ایک دوسرے کی مدد سے دنیا کو خلق کیا ہے، تیسری حالت یہ کہ دونوں نے دنیا کو دو حصوں میں خلق کیا ہے لیکن ایک دوسرے کی خدائی میں دخالت کرتے ہیں۔

پہلی حالت: دونوں نے دنیا کو مستقل علیحدہ علیحدہ خلق کیا ہے (یعنی ہر چیز

دودفعہ خلق ہوئی ہے) اس کا باطل ہونا واضح ہے۔

الف: چونکہ ہرایک شخص میں ایک وجود سے زیادہ وجود نہیں پایا جاتا ہے اس لئے ایک سے زیادہ خدا کا تصور نہیں ہے۔

ب: ایک خدا نے کسی چیز کو پیدا کیا اور پھر دوسرا خدا اگر دوبارہ اس کو خلق کرے اس کو علماء کی اصطلاح میں تحصیل حاصل کہتے ہیں، (کہ ایک چیز موجود ہو پھر اس کو حاصل کیا جائے)۔

ج: یا حکماء اور فلاسفر کی اصطلاح میں ایک معلول (موجود) میں دوعلت تامہ اثر گذاری کریں محال ہے یعنی ایک موجود کو خلق کرنے میں دوعلت ایک وقت میں کارفرما ہو محال و باطل ہے۔

دوسری حالت: ان دونوں خدا نے ایک دوسرے کی مدد (شرکت) سے موجودات کو خلق کیا ہے، یعنی ہر موجود دو خدا کی مخلوق ہو اور دونوں آدھے آدھے برابر کے شریک ہوں یہ احتمال بھی باطل ہے۔

الف: دونوں خدا ایک دوسرے کے محتاج تھے یعنی تنہا موجودات کو خلق کرنے سے عاجز و مجبور تھے تو یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ خدا عاجز محتاج نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کوئی کہے دونوں خلق پر قادر ہیں لیکن پھر بھی دونوں شریک ہو کر موجودات کو وجود میں لاتے ہیں یہ بھی باطل ہے کیونکہ دو فاعل کسی کام پر قادر ہوتے ہوئے پھر بھی تنہا کسی کام کو انجام نہ دیں اس میں چند صورتیں ممکن ہیں:

الف: یا دونوں بخل کر رہے ہیں جو کہ نصف نصف پر کام کرتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ زیادہ خرچ نہ ہو۔

ب: یا دونوں آپس میں ڈرتے ہیں اور اس ڈر کی بنا پر کم خرچ کر رہے ہیں۔

ج: یا دونوں مجبوراً آپس میں شریک ہیں۔

جواب یہ ہے:

الف: خداوند عالم محتاج و نیاز مند نہیں ہے۔

ب: دونوں دنیا کے خلق کرنے کی مصلحت اور اس کا علم رکھتے ہیں اور اس کی پیدائش پر قدرت بھی رکھتے ہیں اور ان کی قدرت و علم عین ذات بھی ہے، اور اسی کے ساتھ بخل و کنجوسی بھی پائی جاتی ہے جو خدا کی ذات کے لئے اور مناسب نہیں ہے۔

ج: کوئی کام ایک دوسرے کے تحت خوف سے کرتے ہیں تو یہ، شانِ خدا کے برخلاف ہے کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ متاثر و عاجز نہیں ہو سکتا ہے۔

د: دونوں عالم و قادر اور بخیل و عاجز نہیں ہیں تو چاہے موجود میں فقط ایک علت ہو اپنی مرضی کے مطابق کوئی ایک دنیا اور بنائیں۔

ان باتوں سے سمجھ میں آتا ہے دونوں کو چاہیے اپنی قدرت و علم کے تحت دو دنیا بنائیں اور اس سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک معلول میں دو علت کا اثر

انداز ہونا باطل ومحال ہے۔

تیسری حالت: دونوں (مفروض) خدا دنیا کو نصف نصف تقسیم کر کے اپنے اپنے حصہ میں مستقلاً موجودات کو خلق کرے (اور مثل بادشاہوں کے اپنے حصہ میں حاکم بنے رہیں، ایسا فرض ہی باطل ہے اس لئے کہ دو خدا نہیں ہو سکتے اور نہ دنیا کے دو حصے ہو سکتے ہیں) اور ایک دوسرے کے حصے میں دخالت کرے یہ احتمال بھی باطل ہے، اس لئے کہ ہر وہ فرضی خدا آپس میں مستقلاً ایک دوسرے کے حصہ میں دخالت (خلق) کی صلاحیت رکھتے ہیں تو چاہیے کہ جدا اور اسے الگ خلق کرے ورنہ اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ دو علت ایک معلول میں موثر ہوگی، جب کہ اس کا بطلان پہلے گذر گیا ہے یا اگر صلاحیت واستعداد نہیں رکھتا یا خلق پر قادر نہیں ہے یا کنجوسی کر رہا ہے تو وہ ناقص ہے اور ناقص، خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

دوسری دلیل:

اگر خدا کسی موجود کو پیدا کرے اور دوسرا اس موجود کو تباہ کرنے کا ارادہ کرے تو کیا پہلا خدا اپنی خلق کی ہوئی چیز کا دفاع کر سکتا ہے؟ اور دوسرے کے شر سے اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اگر پہلا اپنی موجودہ چیز کی حفاظت نہیں کر سکتا تو عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ دفاع کر سکتا ہے تو دوسرا خدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا ہے۔

نتیجہ

ہم خدا کو ایک اور لاشریک موجودات کو خلق کرنے والا جانتے ہیں اور اس کے علاوہ جو بھی ہو اس کو ناتوان، مجبور و عاجز اور مخلوق شمار کرتے ہیں، ہم فقط اللہ تبارک وتعالی کو لائق عبادت جانتے ہیں کسی دوسرے کے لئے سجدہ نہیں کرتے اور نہ ہی کسی اور کے لئے جھکتے ہیں ہم آزاد ہیں اپنی آزادی کو کسی کے حوالے نہیں کرتے اور کسی کی بے حد و انتہا تعریف نہیں کرتے اور چاپلوسی کو عیب جانتے ہیں۔

ہم انبیاء اور ائمہ کا احترام اور ان کے بیان کئے گئے احکام کی پیروی اس لئے کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو واجب الاحترام اور واجب الاطاعت قرار دیا ہے، یعنی ان کے احترام واتباع کو واجب قرار دیا ہے، ان کے احکام وقوانین ہمیشہ خدا کے احکام کی روشنی میں رہے ہیں اور ان لوگوں نے کبھی بھی زیادتی اور اپنے حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے، ہم انبیاء و ائمہؑ کے مرقد پر جاتے ہیں اور ان کے مزار و روضہ کا احترام کرتے ہیں، لیکن یہ پرستش اور ان کی بندگی کے عنوان سے نہیں بلکہ خدا کی بارگاہ میں بلند مقام اور پاکیزگی و بزرگی کا خیال رکھکر ان کی تکریم کرتے ہیں اور ان کے روضہ کی تعمیر اور ان کی فداکاری و جانثاری وقربانیوں کی قدردانی کرتے ہیں، اور دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ کے راستے میں زحمت ومشقت کو برداشت کرے اور اس کے احکام و پیغام وارشاد کو لوگوں تک پہنچائے، تو نہ اس دنیا میں بھلایا

جائے گا اور نہ آخرت میں، ہم ان مقدس اللہ کے بندوں، پاک سیرت نمائندوں اور اس کے خاص چاہنے والوں کے حرم میں خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی حاجت کی قبولیت اور راز و نیاز کرتے ہیں، اور اپنی دعا و مناجات میں ان مقدس بزرگوں کی ارواح طیباہ کو خدا کے حضور میں واسطہ و وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

عدل

خداوند عالم عادل ہے یعنی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس سے کوئی بُرا کام صادر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے تمام کام میں حکمت اور مصلحت پائی جاتی ہے اچھے کام کرنے والوں کو بہترین جزا دے گا کسی چیز میں جھوٹ اور وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے، کسی کو بے گناہ اور بے قصور جہنم میں نہیں ڈالے گا، اس مطلب پر دو دلیل پیش خدمت ہے۔

پہلی دلیل:

جو شخص ظلم کرتا ہے یا برے کام کو انجام دیتا ہے اس کی صرف تین صورتیں پائی جاتی ہیں (۱) یا وہ اس کام کی اچھائی اور برائی سے واقف نہیں ہے اس وجہ سے ظلم وزیادتی انجام دیتا ہے (۲) یا وہ اس کام کی اچھائی اور برائی سے واقف وآگاہ ہے لیکن جو چیزیں دوسروں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہے چونکہ اس کے پاس وہ شی نہیں ہوتی اس لئے اس کو لینے کے لئے ان پر ظلم کرتا ہے تا کہ ان کے اموال کو لے کر فائدہ

اٹھائے اپنے عیب ونقص (کمی) کو پورا کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کام کرنے والوں (کارگروں) پر ستم کرتا ہے اور ان کے حقوق کو ضائع و برباد کرتا ہے اور خود قوی ہے اس لئے کمزوروں اور مجبوروں پر ظلم کرتا ہے، اور ان کے اموال و اسباب سے چاہتا ہے کہ اپنی کمی کو برطرف اور اپنے نقص کو پورا کرے (۳) یا ظلم و زیادتی سے آگاہی رکھتا ہے اس کو ان کی ضرورت بھی نہیں ہے، بلکہ انتقام اور بدلہ یا لہو ولعب کے لئے ایسا کام انجام دیتا ہے۔

عموماً ہر ظلم وستم کرنے والے انھیں اسباب کی وجہ سے ان کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن خداوند عالم کی ذات اس سے منزہ اور پاکیزہ ہے، وہ ظلم وستم نہیں کرتا اس لئے کہ جہالت و نادانی اس کے لئے قابل تصور نہیں ہے، اور وہ تمام چیزوں کی اچھائی اور برائی کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے وہ ہر چیز سے مطلقا بے نیاز ہے، اس کو کسی کام اور کسی چیز کی ضرورت و حاجت نہیں ہے، اس سے لغو وبیہودہ کام بھی صادر نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ حکیم ہے درنتیجہ اس کے پاس صرف عدالت ہی عدالت موجود ہے ظلم وستم کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔

دوسری دلیل:

ہماری عقل، ظلم وستم کو ناپسند اور برا کہتی ہے اور تمام عقلمندوں کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بھیجے ہوئے انبیاء کو بھی لوگوں پر ظلم وستم نیز برے

کاموں کے انجام دینے سے منع فرمایا ہے، اس بنا پر کیسے ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو تمام عقلمند افراد برا اور ناپسند کریں اور خدا اپنے بھیجے ہوئے خاص بندوں کو ان کاموں سے منع کرے اور خود ان غلط کاموں کو انجام دے؟!

البتہ سماج اور معاشرے میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ تمام لوگ ہر جہت سے برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض ان میں فقیر اور بعض غنی، بدصورت وخوبصورت، خوش فہم ونافہم، سلامت وبیمار وغیرہ ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔

بعض اشخاص پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں یہ تمام کی تمام چیزیں بعض اسباب اور علتوں کی بنا پر انسان کے اوپر عارض ہوتی ہیں جس سے فرار اور چھٹکارا ممکن ہے، کبھی یہ اسباب طبعی علتوں کی بنیاد پر اور کبھی خود انسان ان میں دخالت رکھتا ہے لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود خدا کے فیض کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر شخص اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق اس سے فیض حاصل کرتا ہے خداوند عالم کسی بھی شخص کو اس کی قدرت وطاقت سے زیادہ تکلیف وذمہ داری نہیں دیتا، انسان کی کوشش اور محنت کبھی رائگاں نہیں ہوتی، ہر فرد بشر کی ترقی کے لئے تمام حالات وشرائط میں راستے کھلے ہوئے ہیں۔

دوسری فصل

نبوت

نبوت

خداوند عالم کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے احکام کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرے اس مطلب پر تین دلائل پیش کر رہے ہیں۔

پہلی دلیل: اس لئے کہ انسان کی پیدائش کا ہدف یہ نہیں ہے کہ ایک مدت تک اس دنیا میں رہے، اور اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرے اور ہر طرح کی عیش و عشرت یا دنیاوی ہزاروں دکھ درد اور پریشانیوں کے داغ کو اپنے سینہ پر برداشت کر کے رخت سفر باندھ کر فنا کے گھاٹ اتر جائے، اگر ایسا ہے تو انسان کی خلقت عبث و بے فائدہ ہوگی!(۱)

جب کہ خدائے تبارک وتعالیٰ کی ذات ایسے کاموں سے پاک اور مبرا ہے۔

---

(۱) سورہ مؤمنون (۲۳) آیت ۱۱۵ ﴿اَفَحَسِبْتُم اَنَّمَا خَلَقْنَاکُم عَبَثًا وَ اَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُونَ﴾ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہمارے حضور میں لوٹا کر نہیں لائے جاؤ گے۔

انسان، خداوند عالم کی بہترین وافضل ترین مخلوق ہے اور اس کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعہ کمالات وفضائل کے اعلیٰ مرتبہ پر پہونچ جائے تا کہ قیامت کے دن بہترین ثواب وجزا کا مستحق قرار پائے۔

لہٰذا پروردگار عالم کی ذات نے انسان کو نظم وقانون کا محتاج پایا تو ان کے لئے انبیاءؑ کے دستور العمل بھی بھیجا تا کہ انسان کو تعلیم دیں اور انسان کو ضلالت و گمراہی کی تاریکی سے نکالیں، یہ وہی احکام ہیں جو ساتھ قوانین اور انسان کی زندگی اور آخرت دونوں کو سدھارتے ہیں، لوگوں کو

زیادتی اور زور وزبردستی سے روکتے ہیں اور انسان کی آزادی کے حقوق کے محافظ ہیں نیز انسان کو کمال وصراط مستقیم اور اللہ تک پہونچاتے ہیں۔ کیا انسان کی ناقص عقل ایسا جامع دستور العمل اور منظم پروگرام لوگوں کے حوالے کرسکتی ہے؟ ہرگز ممکن نہیں، اس لئے کہ انسان کی عقل اور اس کی معلومات ناقص ومحدود ہے، لوگوں کی عقل اچھے، برے جلوت وخلوت انفرادیت واجتماعیت کے حالات پر کافی اور کامل معلومات نہیں رکھتی ہے۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے ابتدائے خلقت سے لیکر آج تک ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور بے حد دولتوں کا سیلاب بہادیا کہ محکم وکامل اور جامع انسانیت کے لئے قانون بنائے لیکن ابھی تک نہ بنا سکا، قانون تو بے شمار بنتے رہتے ہیں، لیکن کچھ ہی دنوں میں اس کی خامیاں اور غلطیاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں لہٰذا ایا

تو لوگ اس کو پورے طور پر ختم کر دیتے ہیں یا اس میں تبدیلی اور نظر ثانی کے در پے ہو جاتے ہیں۔

دوسری دلیل: خود انسان کی طبیعت میں خود خواہی اور خود غرضی کے میلان پائے جاتے ہیں لہذا وہ ہر طرح کے فوائد کو اپنے اور اپنے اقارب کے لئے سب سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے لہذا نتیجتاً یہ عادت وفطرت مساوات کا قانون بنانے سے مانع ہوتی ہے۔

جب بھی انسان ارادہ کرتا ہے کہ کوئی ایسا قانون بنائے جس میں ہوائے نفس اور خود خواہی نیز خود پسندی کا کوئی دخل نہ ہو، اپنے اور پرائے ایک صف میں کھڑے ہوں اور ہر ایک کو ایک نگاہ سے دیکھا جا رہا ہو لیکن کہیں نہ کہیں طبیعت اور خواہش نفسانی تو غلبہ کر ہی لیتی ہے لہذا عدل وانصاف پر مبنی قانون کا سد باب ہو جاتا ہے۔

تیسری دلیل: قانون بنانے والے حضرات انسان کے فضائل اور روحانی کمالات کا علم نہیں رکھتے اور اس کی معنوی زندگی سے بے خبر ہیں وہ انسان کی فلاح اور بہبود، مادیات کے زرق وبرق اور دنیا کی رنگینیوں میں تلاش کرتے ہیں جب کی انسان کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے درمیان ایک خاص اور محکم رابطہ پایا جاتا ہے فقط خداوند عالم کی ذات والا صفات ہے جو اس دنیا وما فیہا کا پیدا کرنے والا ہے اور انسان کی اچھائی وبرائی سے خوب واقف اور باخبر ہے، نیز تمام موجودات پر

احاطہ کئے ہوئے ہے کوئی بھی چیز اس کے دست قدرت سے باہر نہیں، وہی ہے جو بلندی کی راہ اور ہلاکت کے اجتناب سے بخوبی واقف ہے لہذا اپنے قانون واحکام بلکہ انسانیت کی باگ ڈور ایسے حضرات کے حوالے کرتا ہے جو لوگوں کے لئے نمونہ اور اس کی زندگی آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں خداوند عالم حکیم ہے کبھی بھی انسان کو حیرانی اور جہالت وگمراہی کے اتھاہ سمندر میں نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اس کی مصلحت ولطف کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء کو قواعد وقانون کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کرے۔

انبیاء اللہ کے خاص بندے اور بساط بشر کی ممتاز فرد ہوتے ہیں جو خدا سے جس وقت چاہیں رابطہ پیدا کر سکتے ہیں اور جس چیز کی حقیقت معلوم کرنا چاہیں اسے معلوم کر کے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں اس طرح کے رابطے کو ''وحی'' کہتے ہیں وحی یعنی اللہ اور اس کے خاص بندے کے درمیان رابطے کو کہتے ہیں، انبیاء اپنی باطنی بصیرت سے دنیا کی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دل کے کانوں سے غیبی باتیں سنتے اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

نبی کے شرائط

ا۔ عصمت: نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے یعنی نبی کے پاس ایسی قدرت و طاقت موجود ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب اور ہر طرح کی خطا و غلطی اور نسیان سے محفوظ رہ سکیں تا کہ خداوند عالم کے احکام جو انسان کی ہدایت کے لئے بنائے گئے ہیں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے لوگوں تک پہونچا سکیں۔

اگر نبی خود گناہ کا مرتکب ہو جائے اور اپنے قول کے برخلاف عمل کرنے لگے تو اس کی بات اپنے اعتبار و اعتماد سے گر جائے گی یعنی وہ اپنے اس فعل سے اپنی ہی باتوں کا قلع قمع اور اپنے عمل کے ذریعہ لوگوں کو برائی اور خدا کی نافرمانی کی طرف راہنمائی کرنے لگے گا، جب کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملی تبلیغ زبان سے زیادہ مؤثر ہے اگر نبی غلطی و نسیان کا پلندا ہو جائے تو لوگوں کے دلوں سے محبوبیت اور اس کا بھروسہ ختم ہو جائے گا اور اس کی باتوں کی معاشرے کے سامنے کوئی اہمیت و عزت نہ ہوگی۔

۲۔علم: نبی کے لئے ضروری ہے کہ ہر وہ قوانین جو انسان کی سعادت اور نیک بختی کے لئے لازم وضروری ہیں اس سے خوب واقف ہو، اور ہر وہ مطالب و موضوع جو راہنمائی وتبلیغ کے لئے کارساز ہیں اس کا کما حقہ علم رکھتا ہوتا کہ انسان کی فلاح اور بلندی کے حصول کے لئے خاص پروگرام لوگوں کے اختیار میں دے سکے اور راہ مستقیم (سیدھا راستہ) جو فقط ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، اس راہ کے عظیم اجزا کو باہم اور دقیق ملا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

۳۔معجزہ: خارق عادت کام کو کہتے ہیں یعنی نبی کا اپنے دعویٰ نبوت کے اثبات میں ایسے کام کا انجام دینا جس سے تمام لوگ عاجز ہوں چونکہ نبی عادت کے خلاف کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے اور نظروں سے اوجھل دنیا اور اللہ کی ذات سے رابطہ رکھتا ہے اور معارف وعلوم کو اسی سے حاصل کرتا ہے اور تمام احکام کو اسی کی طرف نسبت دیتا ہے تو ضروری ہے کہ نبی ایسے کام کو اپنے مدعیٰ کے لئے انجام دے جس سے اس زمانے کے تمام افراد عاجز وحیران ہوں اور دعویٰ چونکہ غیبی ہے لہذا معجزہ بھی عادت کے برخلاف ہونا چاہیے تا کہ اس امر غیبی کو ثابت کر سکے ایسے کام کو معجزہ کہتے ہیں۔

خلاصہ چونکہ نبی خدا سے رابطے کا دعویٰ کرتا ہے تو ضروری ہے کہ خدا کے ہم مثل کام کو انجام دے تا کہ لوگ اس کی بات پر یقین کریں مخفی نہ رہے کہ انبیاء کے تمام پروگرام اسباب وعلل کے دائرے ہی میں انجام پاتے ہیں، مگر بعض مقامات پر

جہاں وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، معجزہ سے کام لیتے ہیں۔

نبی کو پہچاننے کا طریقہ

یہ مسلم ہے کہ نبی ایک عظیم مقام ورتبے پر فائز ہوتا ہے جب چاہے خدا سے رابطہ پیدا کرسکتا ہے اور وحی کے ذریعہ حقائق کو حاصل کرسکتا ہے پیغمبر اور نبی میں مافوق العادت عصمت جیسی طاقت بھی موجود ہوتی ہے، (کہ جسکی وجہ سے گناہ اور نسیان وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں) اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا مقام اور راز پنہانی ہر کسی کے بس کا نہیں ہے لہذا انسان ان دو راستوں کے ذریعہ نبی کی حقانیت و صداقت کو بخوبی معلوم کرسکتا ہے اور تشخیص دے سکتا ہے۔

پہلا راستہ: ایک نبی دوسرے (آنے والے) نبی کی خبر دے یا اس کی تصدیق کرے یا اس کے علائم اور قرائن کو بیان کرے۔

دوسرا راستہ: وہ اپنے دعوے کی صداقت اور حق گوئی کے لئے معجزہ پیش کرے، یعنی ایسے کام کو انجام دے کہ انسان اس جیسے کام انجام دینے سے عاجز ہو جب انسان دیکھے کہ کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے تمھاری ہدایت کے لئے مامور کیا گیا ہوں اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے ایسے کام کو انجام دے رہا ہو جو انسان کے اختیار سے باہر ہے، پس یقین ہو جائیگا کہ یہ شخص سچا ہے اس لئے کہ اگر یہ جھوٹا ہوتا تو خدا اس کی معجزہ کے ذریعہ تائید نہ کرتا چونکہ

جھوٹے کی تائید کرنا لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے ایک امر قبیح ہے اور خدا کوئی قبیح امر انجام نہیں دیتا ہے مقام عصمت و نبوت کو پہچاننے کے لئے ان دو عمومی قاعدے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں پایا جاتا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ عقلمندوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے دوسرا راستہ بھی کھلا ہوا ہے کہ لوگ قانونِ شریعت اور احکام اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں، اور قانون اسلام کو دنیا کے اور دوسرے قوانین سے تقابل کریں اور اس کے امتیازات اور مصلحتوں کو خوب درک کریں، اس وقت نبی کی سیرت اور طور طریقہ نیز رفتار و گفتار کو اس کے آئینے میں تلاش کریں اور اس طریقے سے ان کے دعوے کی سچائی کی تائید اور تصدیق کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں، لیکن اس راہ سے آنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے یا یہ کہ خدا کا لطف خاص شامل حال ہو اور انسان ایمان کی قوت سے مالا مال ہو، قرآن مجید نے انبیاء کے لئے معجزات کو بیان کیا ہے جو شخص قرآن کے آسمانی اور خدا کی کتاب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اس کو لامحالہ انبیاء کے معجزات پر بھی اعتقاد رکھنا پڑے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدہا ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے کو زندہ کرنا وغیرہ کسی کے لئے قابل انکار نہیں ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کا گھوارے میں باتیں کرنا قرآن کی نص ہے۔

انبیاء کی تعداد

حدیثوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں جس میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (۱)

انبیاء کے اقسام: بعض انبیاء اپنے فرائض کو وحی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں لیکن تبلیغ پر مامور نہیں ہوتے۔ بعض تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ بعض صاحب دین اور شریعت تھے۔ بعض انبیاء مخصوص شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ دوسرے نبی کی شریعت کی تبلیغ وترویج کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ متعدد انبیاء مختلف شہروں میں تبلیغ وہدایت کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔

اولوالعزم انبیاء: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یہ صاحب شریعت تھے اور تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں، ان کو اولوالعزم پیغمبرؑ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض انبیاء صاحب کتاب تھے: حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۳۰۔

موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ، اور باقی انبیاء صاحب کتاب نہیں تھے بعض انبیاء تمام لوگوں کیلیے مبعوث کیے گئے تھے اور بعض مخصوص جمعیت و گروہ کیلیے مبعوث کیے گئے تھے۔(۱)

(۱) بحارالانوار، ج ا ص ۶۱۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں

اولوالعزم انبیاء میں سے ہمارے نبی حضرت محمد ابن عبداللہ ہیں آپ کی امت مسلمان کہلاتی ہے۔ آنحضرت اس وقت مبعوث برسالت ہوئے جب گذشتہ انبیاء کی کوششیں اور ان کی قربانیاں اور طولانی زحمات اپنا ثمرہ دکھا رہی تھیں، لوگوں کی دینی سوجھ بوجھ اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ چاہتے تو بہترین اور کامل ترین قوانین کو اخذ کرتے اور بلند ترین معارف کو سمجھتے نیز گذشتہ انبیاء کے علمی آثار کو ہمیشہ باقی رکھ سکتے تھے، اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ (ص) مبعوث ہوئے، اور لوگوں کے اختیار میں ایک جامع اور مکمل دستورالعمل قرار دیا۔

اگر اسلامی قوانین اور اس کے احکام پر پابندی سے عمل کیا جائے تو انسان کی دنیوی واخروی سعادت کو اسکے ذریعہ سے تامین کیا جا سکتا ہے اور اسی طریقے سے اس زمانہ اور آنے والی نسلوں کی خیر وصلاح کے لئے کافی ہیں۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ قواعد وقوانین اور معارف اسلامی میں تلاش وجستجو کرے اور اسلام کے قوانین کا

دنیا کے اور قوانین سے تقابل کرے تو اسلام کے قوانین کی برتری اس کے اوپر روز روشن کی طرح واضح وظاہر ہو جائے گی یہی علت ہے کہ آنحضرت آخری پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین سے تعبیر کیا ہے(۱) حضرت محمد کے آخری نبی ہونے کا اعتقاد رکھنا، دین کی ضروریات میں سے ہے اور اس سے انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔

(۱) احزاب (۳۳) آیت ۴۰۔

ہمیشہ رہنے والا معجزہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صاحب معجزہ تھے اور اپنی زندگی کے مختلف ایام میں لوگوں کو معجزہ سے روشناس کرایا ہے اور کثرت سے حدیث اور تاریخی کتابوں میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، ان سب کے علاوہ قرآن مجید ہمیشہ رہنے والا معجزہ اور آپ کی نبوت پر قطعی ثبوت ہے قرآن کریم خود اپنے کو معجزہ سے تعبیر کرتا ہے اور خدا لوگوں سے کہتا ہے جو ہم نے قرآن مجید اپنے بندے (محمد مصطفیؐ) پر نازل کیا ہے اس پر شک کرتے ہو تو اس کے مثل ایک سورہ ہی لے آوٴ۔(۱) اور قرآن کہتا ہے اگر تمام جن وانس قرآن کا مثل لانے پر اتفاق کرلیں تب بھی نہیں لا سکتے۔(۲)

اسلام کے دشمن اسلام سے ہر طریقے سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے کسی راہ کو باقی نہیں چھوڑا، اور خطرناک سے خطرناک جنگوں سے سامنا کرنے سے منھ

---

(۱) بقرہ (۲) آیت ۲۳۔

(۲) اسراء (۱۷) آیت ۸۸۔

تک نہ موڑا اور جانی ومالی بے انتہا نقصان برداشت کئے لیکن قرآن سے جنگ کرنے کے لئے اصلاً آمادہ نہ ہوئے، ہاں اگر ان کے بس کا ہوتا تو قرآن کے سورہ کی طرح کسی ایک سورہ کا جواب لاکر رکھ دیتے! اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو اتنی بڑی بڑی جنگوں کے مقابل سورہ لانے کو زیادہ ترجیح دیتے اور ہزارہا زحمت و پریشانی سے سبکدوش ہوجاتے مثلِ سورہ قرآن کوئی سورہ پیش کرنے پر اصلاً قدرت ہی نہیں رکھتے تھے۔(۱)

قرآن مجید آنحضرتؐ کی تیئیس سال کی زندگی میں رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے آں حضرتؐ کے اصحابِ کرام ان آیات کو حفظ کرتے تھے اس کے بعد جمع آوری ہوئی اور کتاب کی صورت میں لوگوں کے سامنے آگیا، قرآن مجید پہلی آسمانی کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کوئی تغیر وتحریف نہیں پائی جاتی ہے، اور بغیر کسی کمی اور زیادتی کے لوگوں کے سامنے موجود ہے۔

قرآن کتاب عمل ہے: اگر مسلمان دارین کی سربلندی چاہتے ہیں اور انکی چھنی ہوئی شان وشوکت، جاہ وحشم واپس آجائے تو چاہیے کہ قرآن کے بیان کردہ محکم قوانین اور دستور کی پیروی واتباع کریں اور اپنے تمام کاموں نیز تمام لاعلاج امراض میں قرآن سے تمسک وتوسل کرکے ان اجتماعی وانفرادی مشکلوں کوحل کریں.

(۱) مزید تحقیق کے لئے تفسیر وکلام اور تاریخ وحدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کریں اس لئے کہ اس کتاب میں اختصار مدنظر ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی

آپؐ کے والد عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا سترہ ربیع الاول سن ایک عام الفیل کو مکہ معظمہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، ستائیس رجب المرجب کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے، تیرہ سال مکہ میں رہکر لوگوں کو پوشیدہ اور ظاہری طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اسی مدت میں ایک گروہ مسلمان ہوا اور آپ پر ایمان لے آیا۔ لیکن کفار اور بت پرست افراد ہر طرف سے اسلام کی تبلیغ کے لئے موانع اور رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے اور آں حضرتؐ کو اذیت مسلمانوں پر سختی و عذاب سے کوئی لمحہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی جان ایک دن خطرے میں آگئی لہذا مجبور ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آہستہ آہستہ مسلمان بھی آپ سے آملے اور مدینہ شہر سب سے پہلے اسلامی حکومت کا پائے تخت اور فوجی اڈا بن گیا۔ آں حضرتؐ اس مقدس شہر میں دس سال تک احکام کی تبلیغ لوگوں کی راہنمائی اور اجتماعی امور کے سنبھالنے میں مشغول رہے اور اسلامی لشکر ہر

وقت حریم اسلام کے دفاع کے لئے آمادہ رہتا۔

ہمارے نبیؐ ترسٹھ سال اس دار فانی میں رہ کر اٹھائیس صفر ہجرت کے گیارہویں سال دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور اسی شہر مقدس (یثرب) مدینہ میں مدفون ہوئے۔

آں حضرتؐ بچپنے سے ہی باادب سچے اور امانتدار تھے اسی وجہ سے لوگ آپ کو محمد امینؐ کہتے تھے، اخلاقی لحاظ سے نیک، اپنے زمانہ کے لئے نمونہ تھے کبھی آپؐ سے جھوٹ اور خیانت دیکھی نہیں گئی کسی پر ظلم وستم نہیں کرتے اور برے کاموں سے دوری، لوگوں کا احترام، خوش اخلاق ومتواضع وبردبار تھے مجبور وبے سہاروں کے ساتھ احسان ومہربانی سے پیش آتے آپ جو کہتے اس پر عمل کرتے تھے اسی پسندیدہ اخلاق کا نتیجہ تھا کہ لوگ ہر طرف سے اسلام کے گرویدہ ہونے لگے اور آزادی و اختیار کے ساتھ اسلام قبول کرتے تھے، امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک فقیر نے آنحضرتؐ کے قریب آکر آپؐ سے سوال کیا حضرت نے ایک انصاری سے کھجور قرض لے کر سائل کو عطا کیا کافی دن گذر گئے مگر آپ اس کا قرض نہ چکا سکے پھر ایک دن طلبگار آیا اور اس نے اپنی کھجور کا مطالبہ کیا حضرت نے فرمایا:

ابھی میرے پاس نہیں ہے جب ہو جائے گا تو میں انشاء اللہ دے دونگا، دوسری دفعہ آیا اور پھر وہی جواب سنا، تیسری مرتبہ جب اس نے اِس جواب کو سنا تو کہنے لگا: یارسول اللہ! کب تک یہ کہتے رہیں گے انشاء اللہ دونگا؟ پھر وہ آں حضرتؐ

کی شان میں گستاخی کرنے لگا حضرت اس کے نازیبا کلمات سن کر مسکرانے لگے اور اصحاب سے فرمایا: کیا تم میں کوئی ہے جو مجھے کھجور قرض کے طور پر دے؟ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کو دونگا فرمایا: اس مقدار میں (خرما) کھجور اس شخص کو دے دو، طلبگار نے کہا میں تو اس کے نصف کا طلبگار ہوں حضرتؐ نے فرمایا اس نصف کو میں نے تجھے بخش دیا۔(۱)

(۱) حیات القلوب ج۲، ص۱۶۸۔

اسلامی احکام

دین اسلام کے قوانین فقط فردی عبادات اور ظائف پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ نظام اجتمائی کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے انسان کی زندگی کے ہر ایک لمحات کے لئے دین اسلام، احکام اور دستور العمل رکھتا ہے جیسے اجتمائی سیاسی اور حقوقی زندگی کے مسائل، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ انھیں قوانین کو اجرا کرنے کے لئے مسلمانوں پر حکومت کی انھیں پروگرام کے نافذ ہونے کی وجہ سے صدر اسلام کے مسلمانوں نے حیرت انگیز ترقیاں حاصل کیں اور محکم طاقتور حکومت کا قیام وجود میں آیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کے احکام (دنیا کے) تمام قوانین سے افضل و اکمل ہیں۔ اگر بطور کامل اس کو اجرا اور اجتماعات میں اس سے استفادہ کیا جائے تو انسان سعادت و خوشبختی کے مراتب پر فائز ہو سکتا ہے، ظلم و زیادتی اپنی بنیاد سے ختم ہو جائے گی جنگ و جدال کی جگہ صلح و صفائی لے لے گی، اور فقر و بیکاری کا بوریہ بستر بندھ جائے گا۔

ہمارا عقیدہ ہے، اسلام کے قوانین ناقص نہیں ہیں اور نہ ہی کسی کے کامل اور اصلاح کرنے کے محتاج ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ انسان کے واقعی مسائل و مصالح سے بخوبی واقف تھے اس لئے بہترین قوانین کو انسان کے اختیار میں دیے ہیں۔

ہم عقیدہ رکھتے ہیں، جو بھی قانون قرآن مجید کے مخالف ہو وہ لوگوں کی مصلحت و مفاد کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہے، ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں، ہماری سعادت مندی کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ ہم اپنی زندگی کے تمام حالات میں دین اسلام کے احکام کی پابندی کریں۔

ہمیں اطلاع ہے اسلامی فرقوں کی زبوں حالی اسلام کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ تمام بدبختی کا سرچشمہ قوانین اور احکام اسلامی سے سرپیچی اور روگردانی کا نتیجہ ہے، جب ہم نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے اجتماعی درد کا مداوا دوسروں سے مانگنے لگے یعنی ہم نے اسلام کے فقط نام پر اکتفا کیا جس کے نتیجہ میں بدبختی کے یہ سیاہ بادل ہمارے اوپر منڈلانے لگے۔

ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ اپنی عزت و بزرگی، شان و شوکت مثل سابق واپس آجائے اور دنیا کے ترقی پزیر ملکوں کی فہرست میں ہمارا بھی شمار ہونے لگے تو ہمیں چاہیے کہ ہم حقیقی اور صحیح معنی میں مسلمان بن جائیں، اور تمام اسلامی قوانین کو اپنے اوپر نافذ کریں اپنے اجتماعی پروگراموں میں احکام قرآن کو

حاکم قرار دیں جب تک قانون اسلام صفحۂ قرطاس پر جملۂ مرکبہ کی صورت میں رہے گا اور اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوگا تو ہمیں ترقی اور عظمت کے لئے سوچنا اپنے کو خواب غفلت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

تیسری فصل

امامت

امامت

نبی کی بحث میں بیان ہوا خداوند عالم پر انبیاء کا لوگوں کی سعادت و نیک بختی کے لئے قانون کے ساتھ بھیجنا واجب ہے، اور جس طریقہ سے نبی نے امانت و دیانت کے ساتھ اسلام کے احکام کو بغیر کمی و زیادتی کے لوگوں تک پہنچانے میں کوشش کی ایسے ہی رسول کے بعد ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو احکام کو بغیر کمی و زیادتی کے لوگوں تک پہنچائے، یعنی دین کی حفاظت اور لوگوں کے دینی و دنیاوی امور کو انجام دے تا کہ انسان کے لئے کمال وسعادت کی راہیں وا رہیں، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک لمحہ کے لئے فاصلہ و جدائی نہ ہو سکے ایسے شخص کو امام اور خلیفۂ رسولؐ کہتے ہیں۔

تمام ائمہ اطہارؑ نبی کے علوم کے محافظ اور انسان کی کامل ترین فرد اور نمونہ عمل اور اسلام کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں خود کامل اور سعادت کی راہوں میں سیر کرتے ہوئے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

امام کے صفات

عصمت

نبی کی طرح امام کو بھی احکام دین اور اس کی تبلیغ و ترویج میں خطا و غلطی، سہو و نسیان سے منزہ ہونا ضروری ہے، تاکہ دینی احکام کسی کمی اور زیادتی کے بغیر کامل طور پر اس کے پاس موجود رہے اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے اور حق تک پہنچنے کا جو فقط ایک راستہ ہے اس کو مخدوش نہ ہونے دے، پس امام کا گناہوں سے محفوظ رہنا اور جو کچھ کہے اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے قول کی اہمیت اور، بات کا بھرم باقی رہے اور لوگوں کا اعتماد اس سے زائل نہ ہو اگر امام گناہ کا مرتکب ہوگا تو اس کی یہ سیرت لوگوں کے لئے سرمشق عمل ہوگی جس سے نبی اور امام کے بھیجنے کا مقصد فوت ہو جائے گا نیز ان کا یہ کردار لوگوں کو اللہ کی معصیت پر ابھارنے کا باعث بنے گا، لہذا امام کے لئے ضروری ہے احکام اسلام پر سختی سے عمل کرے اپنے ظاہر و باطن کو اسلام

کے سانچے میں ڈھالے تاکہ اس سے خطا اور غلطی کا امکان نہ رہ جائے۔

مختصر یہ کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے نیز امام کا دین کے تمام احکام سے واقفیت اور ہر وہ مطالب جو لوگوں کی راہنمائی اور رہبری کے لئے سزاوار ہیں اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ انسان کے لئے سعادت وہدایت کی شاہراہ ہمیشہ کھلی رہے۔

کمال اور فضیلت

پہلی بحث میں ذکر ہوا، امام بھی نبی کی طرح دین کے تمام احکام پر عمل اور اس کے جملہ اصول پر چل کر ایک نمایاں فرد اور کامل انسان ہوتے ہیں، لہذا وہ سیدھے راستے پر خود بھی چلتے اور دوسروں کو بھی ساتھ میں راہنمائی وہدایت کرتے ہیں، یہ الٰہی معارف وحقائق کی گتھیوں کو بخوبی درک کرتے ہیں دین کا شاہکار اور کامل ترین نمونہ ہوتے ہیں۔

معجزہ

اخبار واحادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ ائمہ طاہرینؑ بھی تمام انبیاء کی طرح صاحب اعجاز ہوتے ہیں، فرد بشر جس کام سے عاجز ہو اس کو یہ با آسانی انجام دے سکتے ہیں، نبی کی طرح ان کے لئے بھی امکان پایا جاتا ہے کہ اپنی عصمت و امامت کو ثابت کرنے کے لئے معجزہ کو بروئے کار لائیں اور اپنی حجت لوگوں پر تمام

کریں۔

ہاں اگر کوئی مزید تحقیق کرنا چاہے تو حدیث اور تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کرے، اس پر حقیقت کھل کر آشکار ہو جائے گی کہ ائمہ اطہارؑ نے کتنے مقامات پر معجزہ سے کام لیا ہے، البتہ جتنے معجزات و مطالب ائمہؑ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ہم ان سب کی حقیقت کا دعویٰ نہیں کرتے کیونکہ مجہول مطالب کا بھی امکان پایا جاتا ہے۔

امام کی پہچان

امام کو دو راستوں سے پہچانا جا سکتا ہے:

پہلا راستہ: نبی یا امام خود اپنے بعد آنے والے امام کی پہچان بیان کرے اور لوگوں کے درمیان اپنے جانشین کے عنوان سے مشخص کرے، اگر خود امام یا نبی اس فریضہ کو انجام نہ دیں تو لوگ امام کو معین نہیں کر سکتے اس لئے کہ عصمت اور اعلمیت کے مصداق کو فقط خدا یا اس کے نمائندے ہی جانتے ہیں اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ہے۔

دوسرا راستہ: (معجزہ) اگر امام اپنی امامت کو ثابت کرنے کے لئے معجزہ اور (خارق عادت) چیزوں کی نشان دہی کرے تو اس کی امامت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اگر وہ اپنے امامت کے دعوے میں جھوٹا ہے تو سوال یہ ہے کہ خدا نے معجزہ

سے اس کی مدد کیوں فرمائی؟

امام اور نبی میں فرق

امام اور نبی میں چند جہات سے فرق پایا جاتا ہے۔

پہلا: نبی دین اور اس کے احکام کو لانے والے ہوتے ہیں، لیکن امام اس کا محافظ اور معاشرے میں اس کو اجرا کرنے والا ہوتا ہے۔

دوسرا: نبی یا پیغمبر (ص) شریعت، اور احکام کو وحی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں نیز نبی کا رابطہ خدا سے براہ راست ہوتا ہے، لیکن امام چونکہ شریعت لانے والے نہیں ہوتے اس لئے احکام ان کے لئے وحی کی صورت میں نہیں آتے، بلکہ وہ احکام کو نبی سے دریافت کرتے ہیں اور نبی کے علم میں ہدایت وراہنمائی کے عنوان سے دخالت رکھتے ہیں۔

تشخیصِ امام اور امام کی تعداد

جو شخص کسی قوم یا معاشرے میں نفوذ رکھتا ہو یعنی صاحب منصب و سرپرستی کے عنوان سے لوگوں کی راہنمائی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھتا ہو اگر وہ کچھ دنوں کے لئے جانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرے اور اس نائب و جانشین میں ساری وہی ذمہ داریاں پائی جانی چاہیے جو اس سے پہلے اصل شخص میں موجود تھیں، یعنی پورے معاشرے کی سرپرستی اس کے ہاتھ میں ہو، اس طرح کا کوئی بھی شخص بغیر کسی جانشین کے نہیں جاتا ہے، جس سے لوگوں کے تمام کام مفلوج ہو کر رہ جائیں چہ جائیکہ پیغمبر اسلامؐ کہ آپ کو اس کا بخوبی علم تھا اور آپ اس کی اہمیت کے بھی زیادہ قائل تھے کیونکہ جب بھی کوئی دیہات یا شہر فتح ہوتا تو آپ فوراً وہاں پر ایک گورنر معین فرماتے تھے۔ اور جب بھی کہیں، جنگ کے لئے لشکر بھیجتے تو اس کے لئے کمانڈر اور یکے بعد دیگرے کئی فرد کو معین فرماتے تا کہ ایک شہید ہو جائے تو اس کی جگہ پر دوسرا رہے، اور آپ بھی کہیں سفر کے لئے جاتے تو اپنا

جانشین کسی کو معین فرماتے جس پر مدینہ کے تمام کاموں کی ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ چھوٹے اور معمولی سفر کے لئے اپنا جانشین معین کریں لیکن جب ہمیشہ کے لئے جا رہے ہوں تو کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمائیں؟ اور نئے مسلمان کہ جن کی بنیاد ابھی مضبوط بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ آپ ان کو اس حالت پر چھوڑ کر چلے جائیں، کیا یہ کوئی سوچ سکتا ہے کہ آں حضرتؐ اپنی پوری زحمت کو بے سہارا چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ جب کہ آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ مسلمان بغیر معصوم راہنما کے زندہ اور اسلام تابندہ نہیں رہ سکتا ہے۔

اس لئے قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے میں ایک پل کے لئے بھی فروگذاشت نہیں فرمائی اور جو بھی موقع آپ کو حاصل ہوا، دامے درمے، قدمے سخنے ہر طرح سے بخشش کرتے رہے، جو رسولؐ اپنی زندگی کے ایک لحہ کو اسلام اور مسلمین کے لئے تشنہ نہ چھوڑے ہمیشہ کے لئے اتنا بڑا داغ اپنے سینہ پر رکھ کر کیسے سو سکتا ہے؟!۔

ہم نے اس سے پہلے ثابت کیا تھا رسولؐ کے لئے امام کا معین کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ خدا اور رسولؐ کے علاوہ عصمتِ باطنی سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا ہے اگر ایسا نہیں کرتا تو گویا دین اسلام کو ناقص چھوڑ کر جا رہا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ نے مسلمانوں کے لئے اپنا جانشین معین فرمایا ہے، حضرت نے نہ صرف اپنے بعد خلیفۂ بلافصل کو معین کیا ہے بلکہ اماموں کی تعداد (بارہ ہوں گی) اور بعض

روایات میں ان کے اسمائے گرامی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: میرے بعد قریش سے بارہ خلیفہ ہونگے ان کا پہلا شخص علیؑ اور آخری مہدیؑ موعود ہوگا، اور جابر کی روایت میں نام بہ نام اماموں کی تصریح موجود ہے۔(۱)

(۱)غایۃ المرام سید ہاشم بحرانی راثباۃ الہداۃ۔محمد بن حسن حر عاملی۔بحار الانوار علامہ مجلسی۔ینابیع المودۃ سلیمان حنفی شافعی۔صحیح ابی داؤد۔مسند احمد۔اور دیگر تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۳ رجب المرجب ہجرت سے ۲۳ سال پہلے۔

محل ولادت: خانہ کعبہ۔

والد کا نام: عمران، ابوطالبؑ۔

والدہ کا نام: فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا۔

سن مبارک: ۶۳ سال۔

شہادت: ۱۹ رمضان کو ضربت اور ۲۱ رمضان سن ۴۰ ہجری۔

محل: مسجد کوفہ۔

مدفن: نجف اشرف۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز بعثت سے لے کر اپنی وفات کے آخری لمحات تک نہ معلوم کتنی مرتبہ حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو اپنا جانشین اور مسلمانوں کے لئے

امام وخلیفہ کے عنوان سے تعارف کرایا۔

اپنی عمر کے آخری سال میں حج کے مناسک کو انجام دینے کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے وقت مقام غدیر خم پر خداوند عالم کی طرف سے آیت نازل ہوئی، اے رسولؐ! جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچادو، اور تم نے ایسا نہ کیا (تو سمجھ لو کہ) تو تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، خدا ہرگز کافروں کی قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہونچاتا۔(۱)

حضرت اس مقام پر ٹھہر گئے اور لوگوں کو بھی وہیں قیام کا حکم دیا اس وقت حضرت کے چاروں طرف ستر ہزار کا مجمع تھا حکم ہوا منبر بنایا جائے، فوراً اونٹوں کے کجاوہ کا منبر بنایا گیا، لوگوں سے آشنائی کرانے کے لئے حضرتؐ منبر پر اپنے ساتھ علی بن ابی طالبؑ کو بھی لے گئے اور ایک تفصیلی خطبہ کے بعد فرمایا، (لوگوں آگاہ رہو) میں جس کا مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں اے خدا! جو علیؑ کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو ان سے بغض رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔

لوگوں میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور

---

(۱)۔مائدہ (۶۷) ﴿یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِینَ﴾

کہا: اے علیؑ! آپ کو مبارک آپ ہمارے اور جملہ مومنین و مومنات کے سرپرست اور اولی بالتصرف ہوگئے اس کے بعد لوگوں نے آپ کی بیعت کرنی شروع کردی پھر تین دن تک بیعت ہوتی رہی۔ حضور سرورکائنات نے شدید گرم ہوا جلانے والے سورج اور تپتی ہوئی زمین حجاز پر اسلام کے اس مہم کام کو انجام دیا اور آں حضرتؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کی رسمی طور پر تاج پوشی فرمائی اور علیؑ خلافت و امامت کے عظیم عہدہ پر فائز ہوئے (۱)

یہ پر اہمیت واقعہ اٹھارہ ذی الحجہ سن دس ہجری میں واقع ہوا، شیعیان اہلبیتؑ اس دن کو عید زہرا اور جشن و مسرت کا دن جانتے ہیں اور اس دن جشن ولایت اور محافل کے عنوان سے بہ کثرت پروگرام منعقد کرتے ہیں۔

حضرت رسول خداؐ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی آپ سے کی اور اصحاب کبار کے ایک گروہ نے غدیر خم کے واقعہ کی روایت کی ہے، اور یہ روایت متواتر و قطعی ہے، اور سنی و شیعہ کی معتبر کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے، اور مذکورہ حدیث غایۃ المرام میں اہل سنت کے ۸۹ طریقوں سے نقل ہوئی ہے اور شیعوں کی کتابوں میں ۴۳ طریقوں سے منقول ہے۔ آپؑ آں حضرتؐ کے داماد ہوگئے، حضرت علیؑ کے کمالات اور آپ کی خدمات، اسلام میں اس قدر زیادہ ہیں

(۱)۔ البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۰۸۔

جن کو اس کتاب میں بیان کرنا محال ہے بلکہ دریا کو کوزے میں سمونے کے مترادف ہے آپ اسلام کی مدد، خدا کی عبادت، ترویج دین کے لئے جہاد کرتے آپ تمام جنگوں میں آگے آگے کسی دشمن خدا سے نہیں ڈرتے تھے حتیٰ سخت مواقع، خطرناک حوادث میں فداکاری و جانثاری سے ایک پل کے لئے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، شجاعت و مردانگی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا عبادت پروردگار میں خود اپنی مثال اور یگانۂ روزگار تھے علم وفہم میں بے مثال، خازن علوم نبیؐ تھے حضرتؑ زراعت اور کھیتی کو پسند فرماتے تھے نیز زمین کو زندہ کرنے اور اس پر درخت لگانے اور جگہ جگہ پانی کے کنویں کھودنے کو بہت دوست رکھتے تھے۔

اس جہان فانی سے آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی منافقوں کی گندی سیاست آپ کے فضائل و کمالات سے چشم پوشی آنحضرتؐ کے حکم کی صریح مخالفت کے بعد کہنے کو رہ گیا، علیؑ جوان ہیں اور حکومت کے امور بہت مشکل! اور علیؑ نے دشمنان اسلام کے سربراہوں کا قلع قمع کیا ہے لہذا وہ آپ سے حسد کرتے ہیں، اور آپ کو حکومت کے لئے پسند نہیں کرتے، ایسے ہی بے بنیاد مضحکہ آمیز بہانے کی آڑ میں حضرت کو خلافت سے سبکدوش کر دیا۔

حضرت علیؑ پچیس سال خلفا کے دور حکومت کی تنہائی اور گوشہ نشین زندگی میں اپنے لائق چاہنے والوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، عثمان کے قتل ہوتے ہی لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور چار سال نو مہینے ظاہری خلافت پر فائز رہے۔

حضرت علیؑ ترسٹھ سال اس دنیا میں رہے اور انیس رمضان سن ۴۰ ہجری ابن ملجم کی ضربت سے مجروح ہوئے اور ۲۱ رمضان المبارک کو جام شہادت نوش فرمایا:

پہلا واقعہ

حضرت علیؑ کے دور حکومت کا واقعہ ہے، آپ کے خزانہ دار بیان کرتے ہیں خزانہ میں ایک مروارید کا ہار تھا آپ کی ایک بچی عید الاضحیٰ (عید قربان) کے دن پہننے کے لئے عاریتاً لے گئی اس شرط کے ساتھ کہ تین دن میں واپس اور اگر گم ہوگیا تو اس کی قیمت ادا کرے گی۔

حضرت علیؑ بچی کے گلے میں ہار دیکھ کر پہچان گئے اور میرے پاس آکر کہنے لگے مسلمانوں کے مال میں تم نے خیانت کیوں کی ہے؟ میں نے پوری تفصیل آپ کے سامنے بیان کردی اور کہا کہ آپ کی بیٹی نے واپس کرنے کی ضمانت لی ہے، اور میں خود بھی اس کا ذمہ دار ہوں۔ فرمایا: ابھی اسے واپس لے لو اور آئندہ تم نے ایسا کام کیا تو میں تجھے سزا دونگا، آپؑ کی بیٹی نے کہا: بابا جان! کیا بیت المال سے ہمیں اتنا بھی حق نہیں پہونچتا کہ ایک ہار چند دن کے لئے عاریہ کے طور پر لے سکیں؟!

حضرت علیؑ نے فرمایا: بیٹی اپنے حق سے تجاوز نہ کرو! کیا عید کے دن زینت

کے لئے مہاجرین کی عورتیں ایسا ہی بار رکھتی ہیں؟(۱)

دوسرا واقعہ

حضرت امیر المومنینؑ نے ایک عورت کو دیکھا جو سر پر مشکیزہ لئے چلی جارہی ہے آپؑ نے فرمایا: مشک مجھے دیدے تاکہ میں تیرے گھر تک پہونچادوں اس سے مشک لیا اور راستہ میں احوال پرسی کرنے لگے اسی اثنا میں اس نے کہا: علی بن ابی طالبؑ نے میرے شوہر کو ملک کی فلاں سرحد پر بھیجا تھا اور وہ وہاں قتل ہوگیا اس نے وارث میں چھوٹے چھوٹے یتیم بچے چھوڑے ہیں جو کھانے اور پہننے کے بھی محتاج ہیں لہذا میں مجبور ہو کر ان کے لئے محنت و مزدوری کر کے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں، حضرت مشک اس کے گھر پہونچا کر بیت الشرف تشریف لائے اور نہایت کرب و پریشانی کی حالت میں رات بسر فرمائی۔

صبح ہوتے ہی کھانے کی بوری اٹھا کر اس بیوہ کے گھر لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا عورت دیکھ کر پہچان گئی اور کہا خدا تم سے راضی و خوش ہو اور اللہ میرے اور علیؑ کے درمیان فیصلہ کرے، آپ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تو روٹی بنائے گی میں بچوں کو بہلاؤں اگر تو بچوں کو بہلائے تو میں روٹی بناؤں، عورت نے کہا: تم بچوں کو

---

(۱)۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۰۸۔

بہلاؤ میں روٹی بناتی ہوں، حضرت یتیم بچوں کو بہلانے اور خوش کرنے میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اس نے کھانا پکا کر تیار کر دیا، تو آپ اپنے ہاتھوں سے بچوں کے منھ میں روٹی اور گوشت و کھجور کے لقموں کو ڈالتے اور کہتے جاتے تھے، اے میری آنکھوں کے نور نظر کھاؤ اور علیؑ سے راضی ہو جاؤ پڑوس کی عورت نے حضرت کو دیکھ کر پہچان لیا اور بیوہ عورت سے کہا یہ شخص امیر المومنینؑ ہیں وہ بیوہ عورت دوڑی ہوئی حضرت کی خدمت میں آئی اور معذرت کے ساتھ کہنے لگی: یا امیر المومنینؑ! میں آپ سے شرمندہ ہوں، حضرتؑ نے فرمایا: تم علیؑ کو معاف کر دو کہ میں نے تیری خبر گیری نہیں کی علی تم سے بہت شرمندہ ہے۔(۱)

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۲۔

دوسرے امام حسن بن علی علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۵ رمضان المبارک سن ۳ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: حضرت علی ابن ابی طالبؑ

والدہ کا نام: فاطمہ بنت رسول خداؐ

سن مبارک: ۴۷ سال

شہادت: ۲۷ صفر المظفر سن ۵۰ ہجری

محل شہادت: مدینہ

مدفن: قبرستان بقیع (جنت البقیع)

حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو خدا کے حکم سے منصب امامت کے لئے معین فرمایا۔(۱)

(۱)۔ اثبات الہداۃ ج ۵، ص ۱۲۱۔

حضرت رسول خداؐ (امام حسن و حسینؑ) کو بہت چاہتے اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔(۱)

حضرت امام حسنؑ اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد مسند خلافت وحکومت پر جلوہ افروز ہوئے لیکن معاویہ کی شدید مخالفت اور اس کے حیلہ وفریب کے سبب جنگ کی نوبت آگئی اور وہ وقت یہاں تک آپہونچا کہ معاویہ کی فوج حضرت امام حسنؑ کے روبرو کھڑی ہوگئی جب امام حسنؑ نے اپنے سپاہیوں کے حالات اور ان کی کارکردگی کا معاینہ کیا تو ان میں اکثر کو خیانت کے جال میں پھنسا ہوا پایا لہذا آپؑ جنگ سے منصرف ہوکر معاویہ سے صلح کرنے پر مجبور ہوگئے۔

امام حسنؑ کے صلح کی بنیادی دو وجہیں تھیں:

پہلی وجہ (الف): حضرت کے فوجیوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن متفرق اور غیر منظم تھے اور ان میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جو ظاہر میں آپ کے ساتھ اور باطن میں معاویہ کے طرفدار تھے، معاویہ سے یہاں تک طے ہو چکا تھا کہ ''ہم امام حسنؑ کو پکڑ کر تمہارے حوالے کردیں گے'' حضرت امام حسنؑ نے دیکھا اگر اس حال میں ان سپاہیوں کے ساتھ جنگ کی جائے تو شکست یقینی ہے۔

ب: اگر ان سے جنگ کا ارادہ کریں تو ان منافقوں سے داخلی جنگ اور

(۱)۔ ینابیع المودۃ، ص ۳۷۳۔

آپس ہی میں خون خرابہ شروع ہو جائے گا اور اس اختلاف میں علیؑ کے چاہنے والے کثرت سے شہید ہو جائیں گے نتیجہ میں مسلمانوں کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔

دوسری وجہ: معاویہ لوگوں کو فریب اور دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو دین کا حامی ومدد گار مظلوموں سے دفاع کرنے کا نعرہ بلند کرتا تھا اور کہتا تھا میرا مقصد اس جنگ سے اسلام کی ترویج اور قرآن کا بول بالا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت کو اطلاع تھی کہ معاویہ جھوٹ بولتا ہے، اور اس کو حکومت اور ریاست کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہیں ہے مگر اس مطلب کو آسانی سے لوگوں کو سمجھایا نہیں جا سکتا تھا۔

ان دو وجوہ کے علاوہ اور دوسرے اسباب کی بنا پر صلح کے لئے آمادہ ہو گئے، تا کہ معاویہ کی مکاری اور اس کی خباثت لوگوں پر آشکار ہو جائے اور تمام لوگ معاویہ اور سیرت بنی امیہ کو خوب پہچان لیں تا کہ آنے والے انقلاب کے لئے ایک بہترین راہ فراہم ہو سکے۔

حضرت نے روح اسلام اور اصل دین کی بقا کے لئے صلح کا اقدام فرمایا اور صلح نامہ میں اپنے تمام شرائط کو اس سے باور کرایا تھا لیکن معاویہ نے ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا، سن پچاس ہجری میں معاویہ کے حکم سے جعدہ بنت اشعث نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

امام حسنؑ کا واقعہ

ایک شامی نے حضرت کو دیکھ کر گالیاں دینا شروع کر دیا جب وہ خاموش ہوا تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر سلام کر کے مسکرا دئے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تو مسافر ہے اور میری حقیقت تجھ پر روشن نہیں ہے، اگر تو معافی مانگے گا تو تجھ سے راضی ہو جاؤنگا، اگر کوئی چیز طلب کرے گا تو عطا کرونگا، اگر راہنمائی چاہتا ہے تو راہنمائی کرونگا، اگر بھوکا ہے تو تجھے سیر کرونگا، اگر لباس نہیں رکھتا ہے تو لباس دونگا، اگر فقیر ہے تو غنی کر دونگا، اگر بھاگ کر آیا ہے تو تجھے پناہ دونگا، اگر کوئی حاجت ہے تو حاجت روائی کرونگا، میرا گھر وسیع اور میرے پاس بہت مال ہے اگر تو میرا مہمان ہوگا تو تیرے لئے بہتر ہے۔

جب شامی نے حضرتؑ سے یہ تمام باتیں سنیں، گریہ کرنے لگا اور رو کر کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے خلیفہ اور لوگوں کے امام ہیں بیشک خدا بہتر جانتا ہے خلافت و امامت کو کہاں قرار دے، یابن رسولؐ اللہ! آپ کی ملاقات سے پہلے میں آپ کا اور آپ کے والد کا سخت ترین دشمن تھا، اور آپ کو تمام لوگوں میں پست ترین آدمی سمجھتا تھا، لیکن اب آپؑ سے بے انتہا محبت کرتا ہوں اور آپ کو لوگوں میں بہترین شخص جانتا ہوں پھر وہ شخص حضرت کے بیت الشرف آیا اور جب تک مدینہ میں تھا حضرت کا مہمان رہا(۱)

(۱)۔ مناقب شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۹۔

تیسرے امام حضرت حسین ابن علیؑ

ولادت باسعادت: ۳ شعبان سن ۴ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: حضرت علی ابن ابی طالبؑ

والدہ کا نام: حضرت فاطمہ بنت رسول اللہؐ

سن مبارک: ۵۷ سال

شہادت: ۱۰ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری

محل شہادت: کربلائے معلیٰ

مدفن: کربلائے معلیٰ

حضرت امام حسنؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے بھائی امام حسینؑ کو منصب امامت وخلافت کے لئے منتخب فرمایا: (۱)

---

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۱۶۹۔

حضرت امام حسنؑ معاویہ کے زمانے میں نہایت سختیوں اور مشکلات کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے کہ معاویہ دین اسلام کے احکام کو اپنے پیروں تلے روند رہا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر اپنا حکم مقدم کیے ہوئے تھا، دوسرے معاویہ حضرتؑ کے چاہنے والوں کو بلا عذر قتل، اور آپ کو اور آپ کے دوستوں کی ہلاکت کے لئے کسی بھی کام سے دریغ نہیں کرتا تھا۔

یہاں تک کہ معاویہ فوت ہوا یزید اس کا جانشین تخت حکومت پر آتے ہی مدینہ کے گورنر (ولید) کو حکم دیا کہ حسینؑ سے میری بیعت لے لی جائے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیجدو، اس حکم کو پاتے ہی ولید نے آپ کو طلب کیا اور یزید کا یہ پیغام آپ کے گوش گذار کیا، آپؑ نے غور و فکر کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی حضرت نے یزید کی بیعت اور اس کی تصدیق میں اسلام کی بھلائی نہ دیکھی اپنی جان کو خطرہ میں دیکھ کر مدینہ سے کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا، خدا کے حرم مکہ معظمہ میں پناہ لینے کے لئے اٹھائیس رجب کو روانہ ہوئے اور تین شعبان کو مکہ پہنچ گئے۔

امام حسینؑ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کی خبر عراق میں پھیلی اور کوفہ کے معزز افراد جو حکومت معاویہ و یزید سے تنگ آچکے تھے حضرت کے لئے کثیر تعداد میں خط لکھا اور اس میں آپ کو عراق آنے کی دعوت دی اور ادھر حضرت بھی دیکھ رہے تھے کہ یزید دین اسلام کے ساتھ کیا بدسلوکی سے پیش آرہا ہے، اپنی حکومت کو محفوظ رکھنے

کے لئے اللہ و رسولؐ کی مخالفت سے کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کیا، اور اس بات کا پورا پورا خوف موجود ہے قانون اسلام کو مسخ کر کے اپنے گندے افعال کو اس کی جگہ پر رکھے، اور یہ وقت بھی آگیا ہے کہ فرزند رسولؐ سے اپنی حکومت و سلطنت کی تصدیق چاہے اور ادھر یزید نے حاجیوں کے لباس میں منافقین کو بیت اللہ حضرت کو قتل یا اسیر کرنے کے لئے بھیج رکھا ہے، لہذا حضرتؑ نے حج کو عمرہ سے بدل کر حرم خدا کی عزت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے وہاں سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے (یہ کوفہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت نے پہلے مسلم بن عقیل کو بھیجا تھا اور اس میں آپ کے چاہنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور انھیں لوگوں نے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت اور مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا) یزیدی فوج نے کربلا کے مقام پر آپ کو گھیر لیا آپ نے کوفہ کے لئے کہا تو ادھر سے یزید کا حکم آپہونچا جہاں ہیں وہیں روک لو، ان سے بیعت لے لو، اگر بیعت کرتے ہیں تو ٹھیک ہم آئندہ کے لئے غور و فکر کریں گے اور اگر بیعت نہیں کرتے تو ان سے جنگ کر کے ان کا سر میرے پاس بھیج دو، حضرت نے ذلت و رسوائی کے مقابلے میں شہادت کو ترجیح دی، اور اپنی مختصر سی فوج لے کر ٹڈی دل لشکر کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کمال شجاعت کے ساتھ بہت سے دشمنوں کو جہنم کے حوالے کیا۔

آخر کار آپ، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں انصار و اصحاب کے ساتھ جام شہادت نوش فرما کر ابدی نیند سو گئے ہم اہل بیتؑ کے دوست دار اس دن کو غم واندوہ کا

دن قرار دیتے ہیں، حضرتؑ اور ان شہیدوں کے غم کو تازہ رکھنے کے لئے مجلس عزا اور عزاداری برپا کرتے ہیں، تا کہ ہم میں اور ہماری نسلوں میں فداکاری ظلم کے سامنے استقلال اور حریم اسلام کے دفاع کے جذبات زندہ اور باقی رہیں کیونکہ حضرت نے اپنی شہادت انھیں مقاصد کے لئے دی ہے لہذا ہم بھی اس کو کبھی نہیں بھولیں گے، حضرت امام حسینؑ نے ذلت سے سر بہ تسلیم ہونے کے بجائے مسلمانوں کو فداکاری، جانثاری، دشمنوں کے مقابل قیام، دین سے دفاع، اور عزت کے ساتھ مرنے کا عملی درس دیا ہے۔

بنی امیہ اور یزید جو جانشینِ رسولؐ کے نام پر حکومت کرتے تھے ان کو ذلیل اور گھناؤنا کردار ذلیل کثیف اعمال پر خط بطلان کھینچ دیا، حکومت بنی امیہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا نیز ان کے برے ارادہ کو نقش بر آب کر دیا۔

مجلس و عزاداری نوحہ و ماتم گریہ و زاری حضرت کے عظیم ہدف کو پورا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہم کو ان کے ہدف و مقصد پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔

چوتھے امام حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۵ جمادی الثانی سن ۳۸ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

ماں کا نام: شہر بانو سلام اللہ علیہا بنت یزدجرد (بادشاہ ایران)

والد کا نام: امام حسینؑ

سن مبارک: ۵۷ سال

وفات: ۲۵ محرم سنہ ۹۵ ہجری

محل وفات: مدینہ منورہ

مدفن: قبرستان بقیع (جنت البقیع)

حضرت امام حسینؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے فرزند حضرت علی بن الحسین زین العابدینؑ کو منصب خلافت وامامت کے لئے منتخب فرمایا(۱)

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۲۱۲۔ ارشاد مفیدؒ ص ۲۳۸۔

حضرت امام سجادؑ عبادت خدا میں اس قدر سجدہ کرتے تھے کہ آپ کا لقب سجادؑ اور زین العابدینؑ ہو گیا آپ واقعہ کربلا میں موجود تھے لیکن بیماری کے سبب جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔

کربلا کی واپسی پر کوفہ و شام میں آپؑ نے اپنے خطبہ کے درمیان اپنے والد کی حقانیت اور ان کے مقدس ہدف کی وضاحت فرمائی ہے اور ان شہیدوں کے راستہ کو حقانیت و دیانت کا راستہ بتایا ہے۔ حضرت امام زین العابدینؑ چونکہ ہمیشہ سختی اور عملی آزادی نہ ہونے کی وجہ سے علوم اور معارف اسلام کو لوگوں تک نہ پہونچا سکے اس لئے مجبوراً گوشہ نشین اور عبادت میں مشغول ہو گئے نیز دین اسلام کی ترویج اور تعلیم و تربیت کا ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا، اور وہ دعا ہے کہ جس میں دین اسلام کی تمام مہم چیزوں کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور معارف علوم اسلامی کا ایک دریا صحیفۂ سجادیہ کی صورت میں لوگوں کے اختیار میں قرار دیا ہے جو آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے کہ جسے زبور آل محمدؐ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت کا پسندیدہ مشغلہ یتیم و مسکین و نادار و مجبور اور بے سرپرست افراد کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا تھا اور گاہے اوقات تو خود اپنے ہاتھوں سے ان کو کھلاتے تھے مدینہ کے بہت سے ضرورتمند گھرانوں میں کھانا اور لباس دینا آپ کا خاص وطیرہ تھا، اور اکثر جب لوگ سو جاتے تو آپ رات کی تاریکی میں چہرے کو ڈھاکے ہوئے دوش پر کھانوں کا گٹھر اٹھائے غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کیا کرتے

تھے، جس دن دیر ہو جاتی فقرا و مساکین آپ کے انتظار میں بیدار رہتے جب آپ کی زیارت ہوتی تو آپس میں کہتے تمہیں مبارک ہو وہ شخص آ گیا ان کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کھانا پہونچانے والا کون شخص ہے؟ جب حضرت کی وفات ہوئی اور کئی دن گذر گئے (اور کھانا ان کو نہ ملا) تو سمجھے کہ راتوں میں کھانا پہونچانے والے امام زین العابدینؑ کے سوا کوئی اور نہ تھا، بس رونا اور پیٹنا شروع کر دیا(۱)

(۱)۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۵۳۔

پانچویں امام حضرت محمد بن علی الباقر علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۳ صفر ۵۷ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: علی بن الحسینؑ

والدہ کا نام: فاطمہ بنت امام حسنؑ

سن مبارک: ۵۷ سال

شہادت: ۷ ذی الحجہ سن ۱۱۴ ہجری

محل وفات: مدینہ منورہ

مدفن: قبرستان بقیع

حضرت امام زین العابدینؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام محمد باقرؑ کو منصب امامت وحکومت کے لئے منتخب فرمایا(۱)

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج ۵، ص ۲۶۳۔ ارشاد مفید، ص ۲۳۵۔

آپ کی علمی قابلیت اس قدر زیادہ تھی کہ لوگ آپ کو باقر العلوم کے لقب سے پہچانتے تھے۔ تمام علمی طبقوں میں آپ کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور تمام حضرات آپ کے سامنے نہایت فروتنی اور انکساری کے ساتھ مثل طفلِ مکتب دوزانوں ہو کر بیٹھتے تھے اور اپنی مشکلات کو بیان کرتے اور کافی وشافی جواب لے کر رخصت ہوتے تھے، حضرت کو وہ فرصت حاصل ہوئی جو آپ سے پہلے اماموں کے لئے فراہم نہ تھی لہذا اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسلامی معارف وشریعت کے احکام اور علمی مطالب کا دریا بہا دیا اس دور میں کثرت سے حدیثیں اور مفید اقوال لوگوں تک پہونچے کہ جس طرف سنتے ''قال الباقر'' اور ''قال الصادق'' کی صدا ہی سنائی دیتی تھی، اپنے ہاتھوں زراعت اور حصول رزق میں زحمت کرنا آپ کا خاص مشغلہ تھا۔

محمد بن منکدر کہتے ہیں: میں ایک دن اطراف مدینہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو زراعت کرنے کی حالت میں پورا بدن پسینہ سے تر دیکھا میں نے سوچا محترم اور معزز شخصیت، فرزند رسول کو کھیتی کرتے ہوئے زیب نہیں دیتا کہ حصول دنیا میں اس قدر عرق ریزی اور اس گرمی میں گھر سے باہر کھیت کی سختی کو برداشت کریں لہذا میں ابھی چل کر ان کو نصیحت کرتا ہوں، آپ کے نزدیک جا کر سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا میں نے عرض کی: یابن رسول اللہ! آپ کو اس وقت اور اتنی شدید گرمی میں حصول دنیا کے لئے عرق ریزی کرنا زیب نہیں دیتا ہے، اگر اس

وقت آپ کو موت آجائے تو پھر کیا کریں گے؟ حضرت ٹیک لگا کر کہنے لگے: خدا کی قسم اگر اس وقت مجھے موت آجائے تو یہ موت بھی عبادت کی موت ہوگی، اور پھر خدا کی معصیت میں مشغول رہوں تو موت سے ڈروں، میں اس لئے یہ زحمت برداشت کر رہا ہوں تا کہ تم اور تمہارے جیسے دوسرے لوگوں کا محتاج نہ رہوں۔ میں نے کہا: یابن رسول اللہ! میں آیا تھا آپ کو نصیحت کرنے کے لئے، لیکن خود آپ سے نصیحت لے کر جا رہا ہوں (۱)

(۱)۔ کشف الغمہ، طبع تبریز، ج ۲، ص ۳۳۷۔

چھٹے امام حضرت جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۷ ربیع الاول سن ۸۳ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام محمد باقرؑ

والدہ کا نام: ام فروہ سلام اللہ علیہا بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر

سن مبارک: ۶۵ سال

شہادت: ۱۵ رجب یا ۲۵ شوال ۱۴۸ ہجری

محل شہادت: مدینہ

مدفن: مدینہ، قبرستان بقیع

حضرت امام محمد باقرؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ کو اس منصب امامت وخلافت کے لئے معین فرمایا(۱)

(۱)۔اثبات الہداۃ، ج۵، ص۳۲۸۔ارشاد مفیدؒ، ص۲۵۴۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں بنی امیہ و بنی عباس کے درمیان اختلاف اور باہمی کشمکش پورے شباب پر تھی چونکہ بنی امیہ کی موجودہ حکومت کمزوری اور تزلزل کا شکار تھی بنی عباس، بنی امیہ کی مخالفت اور اہل بیتؑ کی طرفداری کا دعویٰ کرتے تھے۔

حضرت امام صادقؑ نے اس فرصت کے موقع سے خوب استفادہ کیا اور معارف دین کی تعلیم اور احکام شریعت کے پھیلانے میں بھرپور کوشش کی، کلاس کی صورت میں اچھے اور لائق شاگردوں کی تربیت فرمائی اور لوگوں کے درمیان حلال و حرام کے مسائل اور ان کی تعلیم و تعلم کو خوب فروغ دیا۔

مکتب امام جعفر صادق (ع) میں تقریباً چار ہزار (۴۰۰۰) شاگردوں نے تربیت و پرورش حاصل کی تھی (۱) جس کی برکت سے عظیم کتابیں اور حدیثوں کا خزانہ عالم اسلام کے ہاتھ آیا اور آپ ہی کی وجہ سے مذہب شیعہ مذہب جعفری کے نام سے مشہور ہوا۔

سفیان ثوری کہتے ہیں: ایک دن امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہے میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت نے فرمایا: میں نے گھر والوں کو منع کیا تھا کہ کوئی چھت پر نہ جائے لیکن جب میں گھر آیا تو

---

(۱)۔ارشاد مفید، ص ۲۵۴۔

دیکھا ایک کنیز بچے کو لئے ہوئے سیڑھی کے اوپر ہے، جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی بہت حیران و پریشان ہوئی اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بچہ چھوٹ کر زمین پر گر گیا اور مر گیا، اب اس کنیز کے بے انتہا خوف و دہشت کی وجہ سے غمگین ہوں، اس وقت آپؑ نے کنیز سے فرمایا: میں نے خدا کی راہ میں تجھے آزاد کیا تم جہاں چاہو جا سکتی ہو(۱)

(۱)۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ ۴،ص ۱۷۴۔

ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۷ صفر سن ۱۲۸ ہجری

محل ولادت: ابواء (مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے)

والد کا نام: امام جعفر صادقؑ

والدہ کا نام: حمیدہ سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۵۵ سال

شہادت: ۲۵ رجب سن ۱۳۸ ہجری

محل شہادت: زندان سندی بن شاہک

مدفن: کاظمین، بغداد

حضرت امام جعفر صادقؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام کاظمؑ کو منصب امامت و خلافت کے لئے منتخب فرمایا(۱)

(۱)۔ اثبات الہداۃ۔۵، ص۳۶۷۔ ارشاد مفید، ص۲۷۰۔

آپ اس قدر عبادت گذار اور پرہیز گار تھے کہ لوگ آپ کو عبد صالح سے خطاب کرتے تھے، بہت بردبار و حلیم تھے کبھی کسی غیر پسندیدہ چیز پر غصہ اور ناراض نہیں ہوتے تھے اس لئے آپ کا نام کاظم ہو گیا تھا۔

امامؑ اپنے زمانہ میں ہمیشہ سختیوں اور دشواریوں سے دوچار رہے اس لئے اسلامی علوم پھیلانے اور اسکی نشر واشاعت کا مناسب موقع ہاتھ نہ آیا پھر بھی بہت زیادہ لوگوں نے آپ سے کسب علم و فیض کیا، اور کثرت سے آپ سے منقول احادیث کتابوں میں موجود ہے۔

ہارون نے ۱۷۹ ہجری میں حضرت کو مدینہ سے عراق بلانے کا حکم دیا اور بصرہ و بغداد کے زندان میں بیشتر مدت تک قید رکھا آخر کار زندان سندی بن شاہک میں آپ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

واقعہ

مدینہ میں ایک شخص امام موسیٰ کاظمؑ کو اذیت اور حضرت علیؑ کو گالیاں دیا کرتا تھا آپ کے بعض اصحاب نے عرض کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو اس کو قتل کر ڈالیں، حضرت نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا: وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں زراعت کرتا ہے، حضرت اس کے کھیت کی طرف گئے جب اس کے نزدیک پہونچے خندہ پیشانی کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ کر بغیر کسی تکلف کے باتیں

کرنا شروع کیں آپ نے اس سے دریافت کیا اس زراعت میں تو نے کس قدر خرچ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: سو اشرفی، اور اسے فائدہ کی تجھے کس قدر امید ہے؟ اس نے کہا: دو سو اشرفی، پس حضرت نے اشرفی کی تھیلی نکالی جس میں تین سو اشرفی تھی اس شخص کو دیا اور فرمایا: یہ زراعت بھی تیری ہی ہے، وہ شخص ان تمام اذیت کے مقابلے میں اس احسان کو دیکھ کر اٹھا اور حضرتؑ کے سر کا بوسہ لینے لگا اور بہت زیادہ آپ سے معذرت خواہی کی، امامؑ نے اسے معاف فرمایا اور مدینہ کی طرف واپس چلے آئے، میں نے دوسرے دن اس شخص کو مسجد میں دیکھا کہ اس کی نگاہ جب امام کاظمؑ پر پڑی تو کہنے لگا: خدا بہتر جانتا ہے کہ رسالت و امامت کو کہاں قرار دے، لوگ تعجب کرتے ہوئے اس کے اس رویّہ کے متعلق پوچھنے لگے تو وہ شخص حضرت کے فضائل و مناقب اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا، اس وقت امام کاظمؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ کام اچھا ہوا یا جو تم لوگ پسند کرتے تھے؟ میں نے تھوڑے پیسہ سے اس کی برائی ختم کردی اور اس کو اہل بیتؑ کا چاہنے والا بنا دیا (۱)

---

(۱)۔ کشف الغمہ، ج ۳، ص ۱۸۔

آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۸ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام موسیٰ کاظمؑ

والدہ کا نام: جناب نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۵۰ سال

شہادت: ۲۹ صفر ۲۰۳ ہجری

محل شہادت: طوس

مدفن: مشہد (خراسان)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام علی رضاؑ کو منصب امامت وحکومت کے لئے منتخب فرمایا(۱)

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج ۶ ص ۲۔ ارشاد شیخ مفید ص ۲۸۵۔

حضرت امام علی رضاؑ دنیا کے تمام افراد میں سب سے افضل اور میدان علم و عمل میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا، لہذا اس زمانے کے علماء وعقلا آپ سے احکام دینی و معارف اور دوسرے مختلف علوم کے متعلق دریافت کرتے تو آپ ہر ایک کو ان کے متعلق جواب عنایت فرماتے تھے۔

آپ نے مختلف طبقات فکر سے مباحثہ اور مناظرہ بہت ہی دلچسپ انداز سے کیا ہے جو اسلامی کتابوں میں مذکور ہے، آپ کا ایک خاصہ یہ تھا کبھی بھی مباحثہ و مناظرہ کی میز پر کسی مسئلہ میں عاجز و حیران نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر ایک کے سوال کا جواب انھیں کے مطابق عنایت فرماتے تھے۔

آپ لوگوں کے درمیان بہت زیادہ محترم اور (عالم آل محمدؐ) آل محمدؐ کے عالم کے نام سے پہچانے جاتے تھے، مامون عباسی نے سن ۲۰۰ ہجری میں حضرت کو مدینہ سے ''مرو'' بلایا جب آپ تشریف لائے تو اس نے زمام حکومت آپ کے سپرد کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا، جب اس کا اسرار حد سے زیادہ ہوا تو آپ نے ولی عہدی کا عہدہ قبول فرمایا، اور اس کی ولی عہدی قبول کرنے کا دوراز تھا۔

پہلا: حضرت چاہتے تھے کہ اس ولی عہدی کے ذریعہ مامون کی حکومت میں دینی اور اسلامی رنگ سادات اور شیعہ حضرات کو اپنی طرف متوجہ اور اس طرح

ان کے آپسی اختلاف اور افتراق کو دور کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا: مامون چالاکی کرنا چاہتا تھا کہ امام کو اپنے سے قریب کر کے حکومت کے کاموں میں لگا دے جس سے آپ کے چاہنے والے بدظن اور آپ سے دوری اختیار کرنے لگیں، لیکن امام تو مامون کے شکم کی چیزوں سے بھی باخبر تھے کہ جو حکومت کے لئے اپنے بھائی کو نہ چھوڑے وہ اتنی آسانی سے کسی کو حکومت وولی عہدی کیسے دے سکتا ہے، لہذا آپ نے ولی عہدی سے بھی انکار کیا لیکن مامون کے شدید اصرار کی بنا پر مجبوراً قبول کرنے کے لئے شرائط کے ساتھ راضی ہو گئے اور فرمایا: ولی عہدی کی شرط یہ ہوگی کہ میں حکومت کے کسی کام میں اور حکام کے رکھنے اور معزول کرنے میں دخالت نہیں کرونگا۔

امام کی اس شرط کا مطلب مامون سمجھ گیا میں نے تو ان کو خوار کرنے کے لئے یہ کام سپرد کیا تھا لیکن یہ تو مزید عزت اور توقیر کا باعث ہو جائے گا، لہذا اب دوسری فکر میں پڑ گیا کہ کیسے امام کو قتل کیا جائے آخر کار آپ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

واقعہ

ایک شخص بیان کرتا ہے میں نے حضرت امام رضاؑ کو دسترخوان پر سفید وسیاہ غلاموں کے ساتھ بیٹھے غذا تناول فرماتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا: یابن رسول اللہ ! کاش آپ نے غلاموں کو دسترخوان سے الگ اور جدا بیٹھایا ہوتا امام غضبناک ہو گئے

اور فرمایا: خاموش ہوجا، ہمارا خدا ایک، دین ایک، اور ہمارے ماں باپ ایک ہیں ہر شخص قیامت میں اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا (۱)

(۱)۔ وافی، ج۳، ص ۸۷۔

نویں امام حضرت محمد ابن علی التقی علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۰ رجب یا ۱۹ رمضان سن ۱۹۵ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام علی رضاؑ

والدہ کا نام: جناب سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۲۵ سال

شہادت: آخر ذیقعدہ سنہ ۲۲۰ ہجری

محل شہادت: بغداد

مدفن: کاظمین

حضرت امام علی رضاؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام محمد تقیؑ کو منصب امامت کے لئے معین فرمایا:(۱)

---

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج۶، ص ۱۵۵۔ ارشاد شیخ مفیدؒ، ص ۲۹۷۔

حضرت امام محمد تقیؑ اپنے والد ماجد کے بعد منصب امامت پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک بہت کم تھی اور بلوغ کے حدود میں بھی قدم نہیں رکھا تھا، چونکہ علم وفہم خدا کی طرف سے تھا لہذا لوگوں کی تمام دینی مشکلات، کو بآسانی حل کرنے پر قادر تھے بسا اوقات آپ سے امتحان کے طور پر دین اسلام کے مشکل مسائل کو دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب کافی وشافی عنایت فرمایا، آپ کی علمی صلاحیت ہر طبقے کے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے زباں زد تھی وہ آپ پر تعجب وحیرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور عبادت و پرہیز گاری میں اس مقام پر فائز تھے کہ آپ کا لقب ہی تقی ہو گیا تھا اور کثرت جود وسخا کی بنا پر لوگ جواد بھی کہتے تھے۔

دسویں امام حضرت علی بن محمد النقی علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۲ ہجری یا ۲ رجب سنہ ۲۱۲ ہجری

محل ولادت: صریا (مدینہ)

والد کا نام: محمد تقیؑ

والدہ کا نام: سمانہ سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۴۲ سال

وفات: ۲۷ جمادی الثانی یا ۳ رجب ۲۵۴ ہجری

محل شہادت: سامرہ (سر من رای)

مدفن: سامرہ (سر من رای)

امام محمد تقیؑ نے خدا کے حکم کے مطابق اپنے فرزند امام علی نقیؑ کو منصب امامت کے لئے منتخب فرمایا(۱)

---

(۱)۔ اثبات الہداۃ، ج ۶، ص ۲۰۸۔ ارشاد مفید ؒ، ص ۳۰۸۔

والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس کم سنی کے عالم میں آپ منصب امامت وخلافت پر رونق افروز ہوئے، اسی کے ساتھ الٰہی علوم سے کاملاً بہرہ مند تھے۔

علم وذکاوت کے اعتبار سے آپ کا کوئی نظیر نہ تھا، حسن اخلاق کثرت علم اور پرہیزگاری اور حد درجہ عبادت کی وجہ سے آپ لوگوں میں بہت زیادہ محبوب تھے۔

متوکل عباسی کو خطرہ محسوس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہیں لوگ حضرت امام نقیؑ کے یہاں زیادہ رفت وآمد اور آپ کے اطراف جمع ہو کر حکومت کے لئے کسی دشواری اور خطرے کا باعث بنیں۔

اس وجہ سے آپ کو سن ۲۴۳ ہجری میں مدینہ سے سامرہ بلایا اور اپنے زیر نگرانی قرار دیا حضرت امام علی نقیؑ خلفاء بنی عباس کی سختیوں اور ان کی مصیبتوں پر تحمل وصبر کرتے ہوئے زندگی کے آخری لحات کو پورا کیا، اور ستائیس جمادی الثانی سن ۲۵۴ ہجری سامرہ میں وفات پا گئے۔

گیارہویں امام حضرت حسن بن علی العسکری علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۸ یا ۴ ربیع الثانی سن ۲۳۲ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام علی نقیؑ

والدہ کا نام: حُدیث سلام اللہ علیہا

وفات: ۸ ربیع الاول سن ۲۶۰ ہجری

محل وفات: سامرہ (سر من رای)

سن مبارک: ۲۸ سال

مدفن: سامرہ (سر من رای)

حضرت امام علی نقیؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے فرزند امام حسن عسکریؑ کو منصب امامت کے لئے معین فرمایا (۱)

---

(۱)۔ اثبات الہداۃ ج۶، ص ۲۶۹۔ ارشاد مفیدؒ، ص ۳۱۵۔

امام حسن عسکریؑ بھی اپنے والد ماجد علی نقیؑ کی طرح سامرہ شہر میں زیر نظر، زندانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے، لوگ آپ سے آزاد ملاقات نہیں کر سکتے، آپ کے علم سے فیض نہیں اٹھا سکتے تھے، ان سختیوں کے باوجود آپ نے اپنی یادگار کے طور پر، بہت ساری حدیثوں اور مفید مطالب کو لوگوں کے درمیان چھوڑا جو کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، اہل فہم رجوع کر کے اس سے استفادہ کرتے ہیں، آپ کے اخلاق حمیدہ پاک سیرت علم وفضل وپرہیزگاری اور عبادت خدا کسی پر مخفی نہیں ہے۔

بارہویں امام حضرت محمد بن حسن (صاحب الزمان) علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۱۵ شعبان سن ۲۵۵ ہجری

محل ولادت: سامرہ (سرمن رای)

والد کا نام: امام حسن عسکریؑ

والدہ کا نام: نرجس سلام اللہ علیہا

حضرت امام حسن عسکریؑ نے خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے خلافت و امامت کے لئے اپنے فرزند مہدیؑ کو منتخب فرمایا۔(۱)

مہدیؑ، قائمؑ، صاحب الزمانؑ، امام عصرؑ، اور حجۃ اللہ وبقیۃ اللہ وغیرہ آپ کے القاب ہیں۔

(۱)۔اثبات الہداۃ، ج ۶، ص ۳۵۲۔ارشاد مفیدؒ، ص ۳۲۷۔

بہت زیادہ روایتوں میں حضرت رسول خداؐ سے منقول ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا: امام حسینؑ کی نسل کی نویں فرد میرا ہمنام، مہدیؑ موعود ہوگا، ہر ایک امام نے اپنے زمانہ میں خبر دی ہے کہ ہمارا کونسا فرزند مہدیؑ موعود ہوگا آنحضرتؐ اور آپ کے اہل بیتؑ نے خبر دی ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے فرزند مہدیؑ موعود ہیں۔

اور اس کی غیبت بہت طولانی ہوگی جب خدا چاہے گا ان کو ظاہر کرے گا، وہ دنیا کی اصلاح کرینگے اور عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دینگے پوری زمین پر انھیں کی حکومت ہوگی، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کو پوری دنیا میں پھیلائیں گے دین اسلام کو دین حقیقت کے عنوان سے دنیا والوں کے لئے ثابت کرینگے۔

رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے فرمان کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ، امام حسن عسکریؑ کو ایک فرزند عطا کرے گا، جس کا نام آنحضرتؐ کے نام پر محمدؐ ہوگا معتبر و معتمد اصحاب نے اس فرزند کو دیکھ کر گواہی دی ہے۔

امام زمانہؑ اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت پانچ سال کے تھے، اور امامؑ کے بعد آپؑ کے جانشین وامام ہوئے بنی عباس کے خلفا نے جو روایات آنحضرتؐ اور ائمہ طاہرینؑ سے سنا اور پڑھا تھا کہ ایک فرزند امام حسنؑ سے پیدا ہوگا جو مہدی موعود دنیا سے ظلم و جور کو ختم کر کے عدل و انصاف سے بھر دے گا، یعنی ظالموں اور سرکش افراد سے جنگ نیز ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کر دے گا، فقط خدا کا دین اور اس کا عدل و انصاف ہوگا ان لوگوں نے جب امام کے مذکورہ تمام علائم اور آثار و

نشانیاں دیکھیں تو آپ کے سخت ترین دشمن ہو گئے اور قطعی طور پر فیصلہ کیا کہ حضرت امام مہدیؑ کو قتل کر ڈالیں اور اس خطرہ کو راستہ سے دور کر دیں، انھیں اسباب کے تحت امام لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گئے اور پوشیدہ زندگی گذارنے لگے لیکن لوگوں سے آپ کا رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ کے خاص نائبین ہوتے تھے جن کے ذریعہ رابطہ برقرار ہوتا، اور وہ ان لوگوں کی مشکلات کو حل فرماتے تھے۔

حضرت امام زمانہؑ کے خاص نواب چار تھے:

۱۔عثمان بن سعید ۲۔محمد بن عثمان ۳۔حسین بن روح ۴۔علی بن محمد سمری۔

ان چاروں حضرات میں سے یکے بعد دیگرے امامؑ کی نیابت کے لئے منصوب ہوئے یہاں تک کہ غیبت صغریٰ کے دن تمام ہوئے اور امام زمانہؑ سے ملاقات کے روابط منقطع ہوئے اور غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

ابھی امام زمانہؑ غیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں لوگوں کے رفت و آمدان کے اجتماع اور جلسہ میں شرکت کرتے لیکن خود اپنی آشنائی نہیں کراتے ہیں یہی حال باقی رہے گا یہاں تک کہ آپ کے ظہور کے حالات مساعد اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے تمام راہیں ہموار ہو جائیں، اور پوری دنیا کے افراد اس نظام کائنات اور وقتی حکومتوں سے تنگ آ کر بس خدا کی حاکمیت اور اس کی حکومت کو چاہنے لگیں، دنیاوی پریشانیوں اور ظلم وستم و برائیوں سے لوگ تنگ آ کر فقط خدائی قانون کو سائباں

اور اپنی مشکلات کا حل سمجھیں، اس وقت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف، ظہور فرمائیں گے احکام الٰہی کو نافذ کرنے کے لئے اپنے ساتھ طاقت وقدرت لائیں گے اس کے تحت ظلم و بربریت اور فساد کو نیست و نابود اور پورے جہان کو عدل و انصاف سے بھردیں گے۔

ہم شیعیان حیدر کرار کی اس غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ذمہ داری ہے کہ ولی برحق کے ظہور کا انتظار اور آپ کے تعجیل ظہور کے لئے دعائیں کریں، قرآن مجید کے اجتماعی احکام اور اس کے پروگرام کو دنیا کے تمام افراد کو سنائیں، اور اس احکام و قوانین کی بلندی و امتیازات اور اس کے فائدہ کو لوگوں کے سامنے پیش کریں، لوگوں کے ذہن اور ان کے دل و دماغ کو ان احکام کی طرف متوجہ، اور باطل و بے سود خرافاتی عقائد کا ڈٹ کر مقابلہ اور اسلامی و جہانی امام کی حکومت کے لئے (حتی المقدور) تمام اسباب کو فراہم کریں اور دنیاوی مشکلات کو حل کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بہترین لائحۂ عمل اور پروگرام تیار کریں اور اس کو مبلغین اور صلح و مصالحت کرنے والوں کے ہاتھوں میں دیں تاکہ وہ فکروں کو اندھیرے سے روشنائی کی طرف موڑیں، اور ہم اپنے امام کے ظہور اور آپ کی عدل و انصاف سے پُر حکومت کے لئے آمادہ رہیں۔

ائمہ طاہرینؑ کے متعلق ہمارا عقیدہ

۱: بارہ امام علیہم السلام، ہر طرح کے گناہ اور نسیان (بھول چوک) سے معصوم ہیں۔

۲: وہ حضرات خداوند عالم کے تمام احکام وقوانین کو جانتے ہیں اور جتنی چیزیں (علوم اور اطلاعات) لوگوں کی ہدایت اور انکی راہنمائی کے لئے ضروری ہے خداوند عالم نے ان کے اختیار میں دے رکھا ہے۔

۳: دین اسلام میں کوئی بھی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے اور نہیں کسی نئی چیز کو دین میں شامل کرتے ہیں۔

۴: دین اسلام کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہر صحیح عقیدہ کا اعتقاد رکھتے ہیں، اخلاق حسنہ سے مزین لوگوں میں بہترین افراد اور اسلام کے کامل شاہکار اور بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔

۵: لوگوں کی طرح وہ بھی انسان اور اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں ان کو بھی موت اور بیماری لاحق ہوتی ہے، وہ خدا کی طرح موجودہ چیزوں کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں۔

۶۔ ان میں سے گیارہ افراد کو موت آچکی ہے بارہویں امام، یعنی امام حسن عسکریؑ کے فرزند امام مہدیؑ ابھی زندہ ہیں، ہم ان کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں۔

شیعہ

جو لوگ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو رسول خداؐ کا بلا فصل جانشین و خلیفہ مانتے ہیں ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

شیعہ امامیہ حضرت علیؑ اور آپ کے گیارہ معصوم فرزندوں کو امام اور راہنما و رہبر مانتے ہیں اور ان کی رفتار و گفتار میں پیروی کرتے ہیں، اور واقعی شیعہ وہی شخص ہے جو حضرت علیؑ اور آپ کے معصوم فرزندوں کی اتباع و فرمانبرداری کرے اور ان کے طور طریقے اخلاق و اعمال کو اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دے، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جابرؒ سے ارشاد فرماتے ہیں:

اے جابر! فقط اتنا کہہ دینا کہ ہم اہل بیتؑ سے دوستی و محبت رکھتے ہیں کیا شیعہ ہونے کے لئے کافی ہے؟ خدا کی قسم وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے، مگر جو پرہیز گار اور خدا کی اطاعت کرنے والا ہو، اے جابر! پہلے ہمارے شیعہ ان صفات سے پہچانے جاتے تھے تواضع، امانتداری، خدا کا ذکر، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ احسان،

پڑوسی، اور ناتوان یتیم وقرضدار (اور بے چاروں) کی رکھوالی اوران کی مدد، صداقت ،قرآن کی تلاوت، لوگوں کے متعلق اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہتے، اور لوگوں کے لئے امین تھے جابر نے عرض کی یابن رسول اللہ! اس زمانہ میں کسی کو ان صفات کا حامل نہیں پاتا ہوں فرمایا: اے جابر مختلف راہیں تمھیں حیران وسرگرداں نہ کردیں اورتم کسی غلطی میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

انسان کی نجات اور چھٹکارے کے لئے کیا بس یہی کہنا کافی ہے کہ میں علیؑ کو دوست اوران سے محبت کرتا ہوں اور اللہ کے فرمان پر عمل پیرا نہ ہو؟ اگر کوئی کہے، میں حضرت رسولؐ خدا سے محبت کرتا ہوں اور آں حضرتؐ کے دستور واخلاق کی پیروی نہ کرے تو کیا رسول خداؐ کی یہ دوستی اس کو چھٹکارا دلاسکتی ہے؟ ''نہیں'' جب کہ مسلم ہے آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے افضل تھے۔

اے شیعو! اللہ سے ڈرو اوراس کے احکام کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ کسی سے قرابتداری ورشتہ داری نہیں رکھتا ہے، خداوند عالم کے نزدیک باعزت اور سب سے محترم شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اوراس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنے والا ہو، اے جابر! خدا کی قسم! اللہ سے نزدیکی اور تقرب کے لئے اطاعت و فرماں برداری کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے جہنم سے آزادی دلانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، جو اللہ کا مطیع ہے وہ ہمارا دوست ہے اور جو اللہ کے حکم سے روگردانی وسرپیچی کرے وہ ہمارا دشمن ہے، ہماری ولایت ومحبت سوائے عمل صالح اور پرہیزگاری

کے حاصل نہیں ہوتی ہے(۱)

امام جعفر صادق نے فرمایا: (اے شیعو) پرہیز گار اور صاحب تقویٰ بنو، اپنے نفس کی اصلاح اور نیک کام (عمل صالح) کی کوشش کرو، حق کہو، امانتدار اور خوش اخلاق ہو جاؤ، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو، اپنے اخلاق وعمل سے لوگوں کو دین حق کی طرف دعوت دو، ہماری عزت اور سربلندی کا باعث بنو، گندے کاموں کے ذریعہ ہماری شرمندگی اور پشیمانی کا سامان فراہم نہ کرو، اپنے رکوع اور سجود کو طول دو اس لئے جب خدا کا بندہ رکوع اور سجدہ کو طولانی کرتا ہے تو شیطان ناراحت ہوتا ہے اور اس حال میں فریاد کرتا ہے اے، وای یہ لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، لیکن میں نے اللہ کی نافرمانی کی یہ لوگ سجدہ کرتے ہیں اور میں نے سجدہ سے روگردانی کی(۲)

امام صادقؑ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰؑ کے شیعہ اور حواری لوگ ان کے دوستدار تھے، لیکن ان کے دوستدار ہمارے شیعوں سے بہتر وافضل نہیں تھے اس لئے کہ ان لوگوں نے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر ان کی مدد نہیں کی اور اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کیا، لیکن ہمارے شیعوں نے حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت سے آج تک

(۱)۔وافی، ج۱، تیسرا حصہ، ص۳۸۔

(۲)۔وافی، ج۱، تیسرا حصہ، ص۶۰۔

ہماری مدد کرنے سے انکار نہیں کیا ہے، ہمارے لئے فداکاری و جانثاری کرتے ہیں، آگ میں جلائے گئے، قید و زندان کی سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کیں اپنے گھروں سے نکال دئے گئے (شہر بدر کیا) لیکن پھر بھی ہماری مدد و نصرت کرنے سے دریغ نہیں کیا (۱)

(۱)۔ سفینۃ البحار، ج۱، ص۳۷۔

مسلمانوں کے متعلق ہمارا عقیدہ

اس حال میں کہ ہم اہل سنت سے مسئلہ خلافت و جانشینی میں اختلاف نظر رکھتے ہیں اس کے باوجود تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی اور ہم مسلک سمجھتے ہیں، اس لئے کہ ہمارا خدا ایک، ہمارا دین، ایک قرآن اللہ کی کتاب ایک، اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہے۔

ان کی عزت و ترقی کو ہم اپنی ترقی اور سربلندی جانتے ہیں ان کی کامیابی اور غلبہ کو ہم اپنی کامیابی و تسلط سمجھتے ہیں، ان کے مغلوب اور ذلت و شکست کھانے کو ہم اپنی شکست اور پستی مانتے ہیں، ہم سب زندہ و مردہ، خوشی و غم اور شادی و بیاہ میں باہم شریک ہیں، اس مسئلہ میں ہم اپنے پہلے امام حضرت علیؑ کی اتباع و فرمانبرداری کرتے ہیں، کہ اگر آپ اپنے شرعی حق کا دفاع اور خلافت کو لینا چاہتے تو لے سکتے تھے لیکن دین اسلام کی مصلحت اور اپنی اصل خودداری اور دیانتداری کو ان پر ترجیح دی، نہ فقط خلفا سے جنگ نہ کی بلکہ حساس اور سخت وقت میں نیز ضرورت و مجبوری

میں ان کی مدد بھی کرتے رہے اور مسلمانوں کو فائدہ پہونچانے سے کبھی بھی دریغ نہیں فرمایا، ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام اس صورت میں ایک زندہ اور طاقتور ملت کے عنوان سے اپنی گذری ہوئی عظمت وشان وشوکت، بزرگی و برتری اور اجنبیوں کے تحت تسلط رہنے سے نجات حاصل کرسکتی ہے شرط یہ ہے کہ تمام مسلمان اپنے اختلافات و پراگندگی اور انفرادیت سے دوری اختیار کریں، اور پوری طاقت ایک طرف صرف کردیں اور سب کی سب دین اسلام کی راہ میں اس کی عظمت وترقی کے لئے قدم جمادیں۔

چوتھی فصل

معاد (قیامت)

قیامت

انبیاء واولیاء اور تمام آسمانی کتابوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کی زندگی فقط مرنے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ اس دنیا کے بعد بھی دنیا پائی جاتی ہے جہاں پر انسان کو اپنے کئے (اعمال وکردار) کا بدلہ ملے گا۔

اچھے لوگ وہاں پر تمام نعمتوں کے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کریں گے اور بدکردار اور خطا کار افراد سخت دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے قیامت آسمانی تمام ادیان کی ضروریات میں سے ہے اور اصل قیامت مرنے کے بعد کی دنیا کو کہا جاتا ہے جو شخص بھی انبیاء کو مانتا اور ان کی بتائی ہوئی چیزوں پر ایمان رکھتا ہے اس کو معاد پر یقین و اعتقاد رکھنا ضروری ہے، ہم اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے دو آسان دلیلوں کو بیان کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: اگر مندرجہ ذیل مطالب پر توجہ کریں گے، تو آپ کے لئے قیامت کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

۱: دنیا میں کوئی بھی کام بغیر مقصد کے نہیں ہوتا ہے اور جو شخص بھی کسی کام کو

انجام دے اس کا بھی ایک ہدف ہوتا ہے اور ہدف و مقصد وہ چیز ہے جو انسان کو اس کام کی طرف آمادہ اور چلنے کے لئے تیار کرتا ہے لہذا انسان اس مقصد کے حصول کے لئے دل جمعی کے ساتھ پوری کوشش صرف کر دیتا ہے۔

۲: یہ صحیح ہے کہ کوئی کام بغیر ہدف و مقصد کے نہیں ہوتا، لیکن تمام مقاصد و اہداف بھی تو برابر نہیں ہوتے ہیں بلکہ کرنے والے اور خود اس کام کی موقعیت ہدف میں تفریق وجدائی کا باعث بنتی ہے۔

پس جس قدر فاعل صاحب علم و کمال اور با تدبیر ہوگا ویسا ہی اس کا ہدف بھی بلند اور پر اہمیت ہوگا لہذا جو بچہ کھیلتے وقت اپنا ہدف رکھتا ہے ویسا ہدف عالم و انجینیر اور سمجھدار نہیں رکھ سکتا ہے۔

۳: جب بھی انسان کوئی کام انجام دیتا ہے تو اس کی پوری کوشش و توجہ نتیجہ کے کمال پر ہوتی ہے، کہ کسی طرف سے اس نتیجہ پر حرف نہ آئے اگر وہ غرض و غایت نقائص سے محفوظ ہے تو یہی اس کا کمال ہے، مثال کے طور پر ہم بھوک کے احساس پر کھانا کھاتے ہیں اور بھوک کا احساس جو نقص ہے کھانے سے ہم اس نقص کو برطرف کرتے ہیں، لیکن خدا کے کاموں میں یہ مطلب درست نہیں ہے اس لئے کہ یہاں پر فعل کے انجام کا فائدہ خود اس کی ذات کی طرف لوٹ کر نہیں آتا ہے، بلکہ خدا کے خلق و پیدا کرنے کا فائدہ خود اس کی مخلوق کی طرف پلٹ کر جاتا ہے جیسے خدا نے ہم کو پیدا کیا اور ہم نے نماز پڑھی نماز کا فائدہ خود ہماری ہی طرف واپس آتا ہے نہ کہ خدا کی

طرف لوٹ کر جاتا ہو، اس لئے کہ خدا کی ذات میں کمی ونقص نہیں پایا جاتا کہ وہ اپنی کمی کو برطرف اور اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے کسی کام کو انجام دے اس بنا پر ہمارا یہ کہنا درست ہے کہ انسان کے اپنے اعمال کا فائدہ خود اس کی طرف واپس آتا ہے کیونکہ یہاں پر کام اور عمل سے مراد مقصد کو پورا کرنا یا فائدہ اٹھانا نہیں ہے بلکہ فائدہ پہونچانا اور کامل کرنا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

من نکردم خلق تا سودی کنم
بلکه تا بر بندگان جودی کنم

میں نے فائدہ حاصل کرنے کے لئے تمام چیزوں کو پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ان کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیدا کیا ہے خداوند عالم نے انسان کے جسم کو بہترین طریقے اور بہت ہی نظافت اور نہایت باریک بینی سے خلق فرمایا ہے۔

لہذا عقلا اس میں جتنا غور وخوض کرتے ہیں اتنے ہی عجیب وغریب چیزوں سے دوچار، اور متحیر رہ جاتے ہیں، ہاں یہ کہنا درست ہے کہ خداوند عالم حکیم ہے کہ جس نے انسان کے معمولی بدن میں پوری دنیا کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے (یعنی کوزے میں دریا کے مانند انسان کے چھوٹے سے بدن میں وسیع وعریض دنیا کے نظام سے زیادہ باریک نظام کو محدود، محال کو ممکن، کر دیا ہے جس کی تعبیر حضرت علی یوں فرماتے ہیں:

اتزعم انک جرم صغیر و فیک انطوی العالم الاکبر .

پانی، مٹی، گھانس، حیوان، سورج، ستارے، چاند اور تمام موجودات کو انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور ان کے علاوہ انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہزاروں تعجب آمیز رازوں کو دنیا میں پوشیدہ کر رکھا ہے تا کہ اپنی فلاح و بہبود کے لئے اس تک دست رسی پیدا کرے اور اس عظیم ترین پروردگار کے خزانہ سے استفادہ کرتے ہوئے حقیقت دنیا پر حکمرانی کرے۔

مذکورہ مطالب سے سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند حکیم نے انسان کے جسم کو نہایت تعجب آمیز رازوں پر مشتمل شریف ترین مخلوق قرار دیا ہے اور اسی انسان کے لئے نظام کائنات کو مسخر کر رکھا ہے، فقط اس لئے کہ انسان ایک معمولی موت کے لئے یہاں پر رہے! اور اس کی بے انتہا نعمتوں سے استفادہ کرے اور مر کر فنا ہو جائے؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا خدا کا پیدا کرنا غیر عاقلانہ اور حکیمانہ کام نہ ہوگا؟

آپ کی عقل اصلاً ایسا فیصلہ اور ایسی چیزوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی ہے، بلکہ عقل تو خدائے حکیم کو بے غرض اور عبث کاموں سے منزہ و مبرا سمجھتی ہے، پس نتیجہ میں انسان کا مر کر فنا ہونا اس کے پیدائش کا مقصد و ہدف نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد کمال ہے اگر موت کے بعد انسان کامل نہ ہو بلکہ فنا ہو جائے تو فنا خود بھی تو ایک نقص ہے پھر انسان کی اپنی آخری منزل کمال کیا ہوگی؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی تنگ یا راحت اچھی یا خراب زندگی آرام یا مصیبت میں گذار دے اور

سب کا ایک ہی حشر نابودی اور فنا ہو۔

ہماری عقل کہتی ہے خداوند عالم کی ذات لوگوں کی محتاج نہیں ہے اور کسی فائدہ کے تحت ان کو نہیں پیدا کیا ہے اور اس سے کوئی لغو و بے فائدہ کام بھی صادر نہیں ہوتا ہے مجبوراً کہنا پڑے گا کہ خدا نے انسان کو کسی بلند ہدف اور قیمتی مقصد کے لئے خلق فرمایا ہے، اور اس انسان کی زندگی کو چار دن میں منحصر نہیں کر رکھا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد انسان کی زندگی تمام ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے اعمال ختم ہوتے ہیں، بلکہ سب خدا کے نزدیک محفوظ ہے۔

ہماری عقل کہتی ہے: (اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہونی چاہیے) اس چھوٹی اور مصیبت و رنج والم سے بھری ہوئی دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہونی چاہیے تاکہ انسان کے لئے آرام و آسائش کا پیش خیمہ ہو، خدا کا مقصد (انسان کے خلق کرنے کا) یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ترقی اور معنوی کمالات اور سعادتمندی کے تمام وسائل کو فراہم کرے تاکہ مرنے کے بعد ہمیشہ رہنے والی زندگی آخرت میں تمام ناز و نعمت کے ساتھ خوشی خوشی گذارے۔ (۱)

۱۔ خداوند عالم نے قرآن میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاکُمْ عَبَثاً وَ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں یوں ہی بے فائدہ اور بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہمارے حضور میں لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ مومنون (۲۳) آیت ۱۱۵۔

دوسری دلیل: بعض افراد (انسان) نیک اور صالح ہیں، لوگوں کے لئے خیر خواہ اور بھلائی چاہتے ہیں، اور کمزوروں کی مدد کرتے ہیں، اور یتیموں کے ساتھ مہربانی اور ناچار و مجبور افراد پر احسان کرتے ہیں، ان کے اخلاق اچھے، جھوٹ نہیں بولتے، ملاوٹ نہیں کرتے، اور کسی کے ساتھ ظلم و ستم کو جائز نہیں سمجھتے، لوگوں کے مال کو ناحق نہیں لیتے، نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اپنے واجبات پر عمل کرتے ہیں، اور گناہوں سے خودداری کرتے ہیں۔

دوسرے افراد: برے اور نالائق ہیں اپنے جیسے افراد پر ظلم و ستم دوسروں کے حقوق کو غصب، بداخلاق، چھوٹے اور ہر ایک کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، خدا کے واجب امور کو انجام نہیں دیتے، نماز و روزہ سے کوئی مطلب نہیں رکھتے ہیں اور گندے برے کاموں (یعنی حرام کے ارتکاب) سے نہیں ڈرتے حیوانوں کی طرح رات و دن ظلم و زیادتی اور شہوت پرستی میں مشغول رہتے ہیں۔

یہ دو طرح کے افراد قطعی طور پر موجود ہیں، لیکن دنیا میں اپنے اعمال کی اصلا کوئی سزا یا جزا نہیں پاتے۔ معصیت کار ہیں ہر طرح کی ناز و نعمت میں زندگی بسر کر کے دنیا سے چلے گئے اور اپنے اعمال کی کوئی سزا نہیں پائی... اور بہت سے لوگوں کو نیک و صالح پاتے ہیں لیکن وہ بیچارے نہایت سختی پریشانی، تنگی اور مصیبت میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر اپنے کیے اعمال کی کوئی جزا نہیں دیکھتے۔

کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسری دنیا نہیں ہونی چاہیے کہ جہاں پر اچھے اور

برے کاموں کا حساب اور اس پر جزا و سزا مرتب ہو نیک افراد کو اچھا بدلہ اور بد کردار کو اپنے کیے کی سزا دی جائے؟ اگر انسان کی عمر اس دنیا میں یوں ہی ختم ہو جائے اور اس کے نامۂ اعمال یہیں ضائع ہو جائیں، تو کیا انسان کا پیدا کیا جانا عبث اور عدالت کے خلاف اور حکمت خدا کے مخالف نہیں ہوگا؟

کیا آپ کی عقل قبول کرے گی کہ اچھے فرمانبردار اور بد کردار و تباہ کار مساوی و برابر ہو جائیں اور ان کے درمیان حساب و کتاب کے ذریعہ تفریق و جدائی نہ ہو؟ (۱) کیا ایسے فضول کام کو اللہ کی طرف نسبت دینا درست ہوگا؟

اگر قیامت نہ ہو، انبیاء کا بھیجنا اور اللہ کا امر و نہی کرنا، نا معقول اور بے بنیاد نہیں ہوگا ان کاموں کا حساب و کتاب اور ثواب و عقاب نہ ہو تو لوگ کیونکر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرینگے؟

(۱)۔ خداوند عالم قرآن مجید میں اس مطلب کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے ﴿ام نجعل المتقین کالفجار﴾ کیا ہم پرہیزگاروں کو مثل بدکاروں کے بنا دیں؟ ص۔ ۳۸، آیت ۲۸۔

موت

موت یعنی جسم اور روح کی جدائی و مفارقت کا نام ہے، اسلام ہم سے کہتا ہے انسان فقط موت سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ موت کے ذریعہ انسان ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی (موت) ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف لوٹنا ہے، پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: تم فنا ہونے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ حیات جاودانی، یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقل ہونا ہے(۱)

اسلامی نکتہ نظر سے ہر ایک روح، جسم سے مساوی اعتبار سے جدا نہیں ہوتی ہے بلکہ جو لوگ گنہگار ہیں اور اس دنیا سے زیادہ دل لگا رکھا ہے، اور اُس دنیا سے (آخرت) غافل اور غیر مانوس ہیں ان کی روح بہت سختی اور دشواری سے نکلتی ہے، لیکن جو حضرات اچھا کام (عمل صالح) کرتے ہیں اور خاص کر موجودہ دنیا کی

---

(۱)۔ بحار الانوار، ج۶، ص۲۴۹۔

طرف رجحان ومیلان نہیں رکھتے اُس دنیا (آخرت) کیلئے اللہ اور اس کے رسولؐ سے انسیت اور الفت زیادہ رکھتے ہیں وہ لوگ بہت ہی آرام واطمینان سے اس زندگی سے نجات پا جاتے ہیں (۱)

(۱)۔ بحارالانوار، ج ۶، ص ۱۴۵۔

برزخ

مرنے کے بعد کی زندگی کو ہماری عقل تصدیق کرتی ہے لیکن وہاں پر کیسی اور کس طرح کی زندگی ہوگی اس چیز کو ہماری عقل راہنمائی (درک) نہیں کرتی، یہاں پر ہم مجبور ہیں کہ قرآن پاک اور پیغمبرؐ کے ارشادات اور ائمہ اہل بیتؑ کی حدیثوں سے استفادہ کریں۔

قرآن مجید اور حضور اکرمؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کی حدیثوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے (تمام لوگوں کے اٹھائے جانے سے پہلے) ایک دوسری دنیا موجود ہے جس کا نام "برزخ" ہے جو کہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ اور رابطہ کی حیثیت سے موجود ہے، جب انسان کی موت آتی ہے تو برزخ کے ابتدائی مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں پر ایک مخصوص طرح کی زندگی بسر کرتا ہے اس معنوی اور پوشیدہ زندگی کی ابتدا قبر ہے کہ جو معمولی سوال و جواب سے شروع ہوتی ہے جس میں کلی اعتقادات اور اعمال کے مسائل پوچھے جاتے ہیں اگر عقیدہ صحیح اور

عمل و کردار اچھے ہیں تو جنت کا ایک دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے تا کہ وہ جنت کی نعمتوں سے استفادہ کرتا رہے قیامت آنے کے انتظار اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے شوق میں منتظر رہتا ہے۔

اگر کوئی بد کردار اور باطل عقیدہ رکھنے والا ہو تو اس پر جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور قیامت تک وہ اسی طرح عذاب میں نا گوار و تلخ زندگی بسر کرتا رہتا ہے اور دوزخ کے سخت عذاب اور قیامت آنے کے خوف سے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔(۱)

---

(۱)۔خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''وَمِن وَرَائِهِم بَرزَخٌ اِلیٰ یَومِ یُبعَثُونَ ''سورہ مومنون (۲۳) آیت ۱۰۰ ان کے ''مرنے کے'' بعد ''عالم'' برزخ ہے اس دن تک کہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

''وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُقتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ اَموَاتٌ بَل اَحیَاءٌ وَلٰکِن لَا تَشعُرُونَ ''سورہ بقرہ (۲) آیت ۱۵۴ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ (وہ لوگ) زندہ ہیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔

''وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ اَموَاتاً بَل اَحیَاءٌ عِندَ رَبِّهِم یُرزَقُونَ ''سورہ آل عمران (۳) آیت ۱۶۹۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے یہاں سے روزی پاتے ہیں۔

قال النبیؐ: ''اِنَّ القَبرَ اَوَّلُ مَنَازِلِ الآخِرَۃِ فَاِن نَجَا مِنهُ فَمَا بَعدَهُ اَیسَرُ وَ اِن لَم یَنجُ مِنهُ فَمَا بَعدَهُ لَیسَ اَقَلَّ مِنهُ'' آخرت کی پہلی منزل قبر ہے جو شخص یہاں نجات پا جائے اس کے لئے بعد کا کام آسان ہو جائے گا اور جو شخص یہاں نجات نہ پا سکے پس تو عذاب اس کے بعد اتنا آسان نہیں۔ بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۴۲۔

قال علی ابن الحسینؑ: ''اِنَّ القَبرَ رَوضَۃٌ مِن رِیَاضِ الجَنَّۃِ اَو حُفرَۃٌ مِن حُفَرِ النِّیرَانِ'' حضرت علی ابن حسینؑ نے فرمایا: قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہے۔ بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۱۴ اور ص ۲۰۲۔ ۲۸۲۔

قیامت اور لوگوں کا قبروں سے نکلنا

قرآن مجید اور پیغمبر اسلام نیز آپ کے اہل بیتؑ کی حدیثوں میں قیامت کی اس طرح توصیف وتعریف بیان کی گئی ہے چاند، سورج تاریک ہو جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے، دریا بغیر پانی کے جلنے لگے گا، منظومۂ نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا، زمین وآسمان بدل کر دوسری صورت اختیار کرلیں گے اس وقت تمام مردے زندہ کئے جائیں گے، پس لوگ حساب وکتاب کے لئے حاضر ہونگے، لوگوں کے تمام اعمال وحرکات خدا کے نزدیک محفوظ کتابوں میں لکھا موجود ہے، ان کے معمولی کردار وافعال غفلت وفراموشی کا شکار نہیں ہوں گے، قیامت کے دن لوگوں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں گے، لوگ اپنے اعمال اور کردار کو حضوراً مشاہدہ کریں گے، اس وقت اعمال کا حساب شروع ہوگا اور بہت گہرائی اور نہایت دقت سے اس کی پوچھ تاچھ کی جائے گی کافر اور گنہگار جو بخشش کے لائق نہیں ہیں، ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا اور نیک وصالح افراد جنت کی طرف جائیں گے اور

وہ گنہگار جن میں بخشش کی صلاحیت موجود ہوگی، یعنی انھوں نے برزخ میں جہنم کا عذاب برداشت اور اپنے برے اعمال کا مزہ چکھا ہے انبیاء اور ائمہ اطہارؑ کی شفاعت کے نتیجہ میں مورد عفو و بخشش قرار پائیں گے، یعنی نور جلال پروردگار عالم ان کے گناہوں کی تاریکی کو ختم کر کے جنت میں بھیج دے گا۔

صاحب ایمان اور نیک کام کرنے والوں کا حساب آسانی سے لیا جائے گا اور بہت جلدی وہ جنت میں چلے جائیں گے لیکن کفار اور بہت سارے گنہگار افراد کا سخت حساب اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے متعلق سختی سے پوچھا جائے گا، تاکہ زیادہ دیر وہ محشر میں کھڑے رہیں، اور نہایت سختی اور ناراحتی کے ساتھ حساب کے متعدد موارد کو سر کرتے رہیں۔(۱)

(۱)۔ بحار الانوار، ج ۷، ص ۵۴۔ ۲۳۷۔

جنت

جنت: وہ جگہ ہے جہاں پر نیک ولائق افراد کو لے جائیں گے، مختلف انواع واقسام کی نعمتیں عیش وآرام کے ساتھ رہنے کے تمام اسباب ووسائل وہاں پر موجود ہونگے۔

جس چیز کا بھی انسان تصور (خیال میں لائے) کرے اور اس کو چاہیے موجود ہوگی (۱) جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بہتر وعالی ہیں ان جیسی چیزوں کے متعلق انسان نے کبھی دیکھا اور نہ سنا ہے، کسی طرح کی کوئی سختی اور پریشانی وہاں نہیں ہے، جو شخص بھی جنت میں داخل ہوا ہمیشہ رہنے والی زندگی سے سرفراز ہوگا جنت کے بھی مختلف مراتب ہیں، جو جس طرح کے عمل خیر اور فضائل وکمالات کا حامل ہوگا ویسے ہی جنت کے درجے میں رہے گا۔ (۲)

---

(۱)۔ سورۂ زخرف (۴۳) آیت ۷۱

(۲)۔ ر۔ک۔ بحار الانوار، ج ۸، ص ۷۱۔۳۲۲۔

جہنم

جہنم: وہ جگہ ہے جہاں کفار، گنہگار اور خطا کار رہیں گے ہر طرح کی سختی و عذاب وہاں پر ہے، جو لوگ وہاں جائیں گے بہت زیادہ سختی و عذاب میں گرفتار ہونگے، جہنم کا عذاب اس قدر مشکل ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ،جہنم کی آگ صرف جسم کو نہیں جلاتی ہے بلکہ روح اور اس کے دل کو بھی جلا ڈالے گی، انسان کے اندر سے ہی پھوٹے گی اور پورے بدن میں پھیل جائے گی۔(۱)

اہل دوزخ کے دو گروہ ہیں پہلا گروہ: اُن کفار کا ہے جو ایمان اور عبادت سے بالکل عاری ہیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس جہنم میں عذاب کو برداشت کریں گے ان کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ دوسرا گروہ: وہ لوگ جو خدا کی عبادت کرتے ہیں اپنے ایمان کی کمزوری کی بنا پر معصیت کے مرتکب ہوئے اور جہنم کے مستحق قرار پائے، یہ گروہ چند مدت کے لئے جہنم میں رہے گا اور آخر کار نور خدا تاریکی گناہ کو جلا

---

(۱)۔ہمزہ (۱۰۴) آیت ۶۔

کرخاکستر کردے گا، اس کے بعد ائمہؑ اور پیغمبرؐ کی شفاعت کے طفیل بہشت میں داخل ہونگے۔

جہنم کے بھی مراتب پائے جاتے ہیں جہاں پر ہر مرتبہ کے مطابق عذاب کی صورت پائی جاتی ہے ہر شخص کو اس کے گناہ کے مطابق جہنم کے طبقہ میں قرار دیں گے کہ جس میں وہ اس عذاب کا مزہ چکھے گا۔(۱)

(۱)۔ بحارالانوار، ج۸، ص۲۴۲۔۳۷۴۔

شفاعت

شفاعت کا مسئلہ قرآن مجید میں بھی نازل ہوا ہے اور نبی اکرمؐ واہل بیتؑ سے کثرت سے روایتیں اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں، اور وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کسی صورت سے شفاعت کے مسئلہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ حضرت رسول خداؐ اور ائمہؑ بعض گنہگاروں کی شفاعت کرائیں گے اور کہیں گے پروردگار درست ہے کہ یہ شخص گنہگار اور مستحق عذاب ہے لیکن فلاں خوبی کی وجہ سے تو خود اپنی بزرگواری اور جو عزت کرامت ہم تیری بارگاہ میں رکھتے ہیں آرزومند ہیں کہ اس کے گناہوں سے چشم پوشی فرما اور بخشش کے قلم سے اس کے گناہ کے عمل کو محو کردے، ان کی درخواست قبول کی جائے گی اور وہ شخص خدا کی رحمت اور اس کی نعمت میں شامل ہو جائے گا، روایت وآیات کی رو سے شفاعت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن چند نکات کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ شفاعت کرنے والے بغیر خدا کی مرضی اور اس کے حکم کے شفاعت نہیں

کریں گے۔

۲۔ قیامت میں حساب و کتاب کے بعد شفاعت کی منزل ہے، یہ تو اس وقت کا معاملہ ہے، جب حساب و کتاب تمام ہوجائے اور نامۂ اعمال دیکھ کر اُس طرف یا اِس طرف بھیجنے کا موقع آپہنچا ہو تو شفاعت کرنے والے کہیں گے کہ اس کو معاف کردو خداوند عالم قبول کرلے گا اور یہ جنت میں چلے جائیں گے لیکن برزخی دنیا میں شفاعت کی دور دور تک کوئی خبر نہیں ہے۔

۳۔ خود شفاعت کرنے والوں نے فرمایا: تم کوشش کر کے محشر میں انسان کی صورت میں آنا تا کہ ہم تمھاری شفاعت کرسکیں، اس بنا پر اگر گناہوں کے سبب اس کی یہ صورت بدل کر حیوانوں کی صورت میں وارد محشر ہوئے تو اس کے لئے شفاعت کا دروازہ بند ہے، بہر حال ضروری ہے کہ حدّ اقل شفاعت کی صلاحیت ولیاقت لے کر محشر میں پہونچے۔

۴۔ شفاعت کرنے والے (ائمہ اطہارؑ) نے بعض معصیت کے متعلق خاص طور پر فرمایا ہے جیسے نماز کو ترک کرنے والوں کو میری شفاعت شامل نہیں ہوگی۔

۵۔ مذکورہ مطالب سے سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کو فقط شفاعت کے وعدہ پر مغرور ہو کر گناہوں کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ جو شخص شفاعت کی امید میں گناہ کو انجام دے وہ اس شخص کے مانند ہے جو دوا اور ڈاکٹر پر بھروسہ کر کے زہر کھا لے اور اپنے کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دے۔

توبہ

قرآن کی آیات اور اہل بیت اطہارؑ کے اقوال سے استفادہ ہوتا ہے کہ گناہ گار اپنے مرنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے کئے پر شرمندہ اور نادم ہو جائے تو اس کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور پھر ان گناہوں کے متعلق اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔(۱)

اس بنا پر تمام گنہگاروں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے لیکن ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ (اَستَغفِرُ اللّٰہ) زبان پر آیا اور آنکھ مَل کر ایک قطرہ آنسو ٹپکایا سمجھ گئے توبہ قبول ہوگئی اور خدا کی رحمت ونعمت میں شریک ہوگئے۔

مگر معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی توبہ کے اپنے خاص شرائط پائے جاتے ہیں، حضرت علیؑ نے اپنی فرمائشات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

(۱)۔وافی، ج۱، تیسرا حصہ، ص۱۸۳۔

حضرتؑ فرماتے ہیں: توبہ میں چھ چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔اپنے گذشتہ گناہوں پر واقعاً پشیمان وشرمندہ ہو۔

۲۔قطعی ارادہ کرے کہ کبھی اس گناہ کو دوبارہ انجام نہیں دے گا۔

۳۔اگر تم پر لوگوں کا حق ہے تو پہلے اسے ادا کرو۔

۴۔جن واجبات کو چھوڑ رکھا ہے اس کو انجام دو۔

۵۔اور جو تمھارے بدن میں حرام کھانے سے گوشت وغیرہ بنا ہے پہلے غم و الم کی وجہ سے اسے پگھلاؤ۔

۶۔جس طرح گناہوں سے لذت اٹھائی ہے ویسے ہی عبادت کی تلخی اور دشواری کو برداشت کرو۔(۱) اس وقت کلمہ ''اَستَغفِرُ اللّٰہ'' کو اپنی زبان پر جاری کرو۔

(۱)۔نہج البلاغہ (طبع مصر) دوسرا جز، ص۲۵۲۔

پانچویں فصل

اخلاق

اخلاق

اچھے اور برے صفات کو اخلاق کہتے ہیں:

اچھے صفات: ان صفات کو کہا جاتا ہے جو انسان کی افضلیت و کمال کا باعث بنیں، جیسے عدالت، تواضع، خدا پر بھروسہ، بردباری، لوگوں کے لئے اچھائی چاہنا، لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھنا، سچ بولنا، امانتداری خدا کی مرضی پر راضی رہنا، خدا کا شکر، خوش اخلاقی، قناعت، سخاوت، بہادری، دین میں غیرت، ناموس میں غیرت انصاف، صلۂ رحم، والدین کے ساتھ احسان، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ، لوگوں کے ساتھ میل محبت، اپنے کو لئے دئے رہنا، اللہ سے محبت رکھنا، ہر مسلمان پر واجب ہے، اچھے صفات نیک اخلاق کو پہچانے اور ان صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

برے صفات: ان صفات کو کہتے ہیں جو انسان کی پستی اور ذلت کا سبب واقع ہوتے ہیں جیسے تکبر (اپنے کو بڑا سمجھنا) فقط اپنے کو چاہنا صرف اپنی تعریف کرنا،

ظلم وستم، اللہ پر بھروسہ نہ رکھنا، صبر نہ ہونا، لوگوں کو پست شمار کرنا، لوگوں کیلیے برا چاہنا، خدا سے راضی نہ رہنا، کینہ وحسد، ناشکری، تمامی وچغلخوری، غصب کرنا، غصہ کرنا، لالچ، جس چیز کا مستحق نہیں اس کی خواہش کرنا، طمع، کنجوسی، دیکھاوے کے لئے کام کرنا، منافقت، دوسرے کے مال میں خیانت، فضول خرچی کرنا، دین اور ناموس میں بے حیائی، بے غیرتی، صلۂ رحم کا ترک کرنا، والدین کو اذیت ورنج پہنچانا، پڑوسیوں کو تنگ کرنا، لوگوں کے ساتھ برا سلوک، بدگوئی، چاپلوسی، منصب کی خواہش، عیب تلاش کرنا، لمبی خواہش۔

ہر مسلمان کیلیے بری خصلتوں کا جاننا ضروری ہے اگر سعادتمندی ونیک بختی چاہتا ہے تو کوشش کرے ان صفات سے اپنے نفس کو دور رکھے، اچھے طریقہ سے اپنے نفس کی اصلاح اور حفاظت کرے کہ کہیں یہ گندے صفات اس میں داخل نہ ہو جائیں، اسلام کے احکام کی پابندی اور اچھے اخلاق سے اپنے کو مزین کرے اخلاقیات، دین اسلام کا ایک جز ہے اور اسلام نے اخلاقی مسائل پر بہت توجہ دی ہے، حضرت رسولؐ خدا نے نفس کے ساتھ جہاد (جنگ) کرنے کو سب سے بڑا جہاد کہا ہے(۱) آنحضرتؐ نے فرمایا: میں مبعوث برسالت ہوا ہوں تا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں (۲) کیونکہ انسان کے تمام کام خود اس کے نفس ہی سے صادر ہوتے ہیں اس لئے سب سے پہلے اس کی اصلاح اور پاک کرنے کی کوشش کرے۔

---

(۱)۔وسائل الشیعہ، کتاب الجہاد، ص۱۲۲۔ (۲)۔المحجۃ البیضاء، فیض کاشانی، ج۲، ص۳۱۲۔

چھٹی فصل

فروع دین

فروع دین

خداوند عالم نے ہماری زندگی کو صحیح راہ پر لگانے کے لئے خاص دستور العمل کو معین فرمایا ہے کہ اگر ہم اس پر عملی اعتبار سے پابند ہو جائیں تو ہماری دنیاوی زندگی بہترین اور بوجہ احسن گذرے گی، نیز آخرت میں بھی سعادت مند اور نجات یافتہ رہیں گے، ایسے احکام وقوانین کو فروع دین کہتے ہیں، فروع دین تو بہت زیادہ ہیں لیکن جن کا جاننا نہایت ضروری ہے ہم ان کو یہاں پر اجمالاً بیان کر رہے ہیں۔ ان میں سے مہم ترین فروع دین آٹھ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس، حج، جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

نماز

واجب نمازیں چھ ہیں:

۱۔نماز پنجگانہ۔

۲۔نماز آیات (سورج گہن و چاند گہن)

۳۔نماز میت۔

۴۔نماز طواف۔

۵۔ وہ نمازیں جو قسم و نذر وغیرہ کی وجہ سے انسان اپنے اوپر واجب کر لے۔

۶۔نماز قضاء والدین (جو نمازیں نافرمانی کی وجہ سے ترک نہ کی ہو بلکہ قضا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو انجام نہ دے سکا ہو) اس کی قضا انجام دینا بڑے فرزند پر واجب ہے۔

نماز پنجگانہ:

نماز دین کا ستون ہے، بندے کو خدا سے نزدیک کرتی ہے آنحضرتؐ نے

فرمایا: خدا کی قسم میری شفاعت نماز کو (حقیر) معمولی سمجھنے والے اور ترک کرنے والے کو نہیں پہونچے گی۔(۱)

تمام مسلمانوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھنا واجب ہے، صبح کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعت، عصر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعت، اور عشا کی چار رکعت۔

اوقات نماز:

نماز صبح کا وقت، صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے کے وقت تک ہے۔

نماز ظہر وعصر کا وقت سورج کے زوال سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔

نماز مغرب وعشا سورج ڈوبنے (مغرب) سے لے کر آدھی رات تک ہے آدھی رات جو تقریباً گیارہ بجکر ۱۵ منٹ پر ہوتی ہے۔

(۱)۔وافی۔ج۲، جزء پنجم، ص۱۳۔

وضو

وضو کا طریقہ

۱۔ پہلے نیت کرے کہ خدا کی خوشنودی کے لئے وضو انجام دیتا ہوں قربۃً الی اللہ۔
۲۔ چہرے پر بال اگنے کی جگہ سے ٹھڈی کے آخری حصے تک۔
۳۔ داہنے ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کے آخری سرے تک (یعنی اوپر سے نیچے کی طرف) دھوئے۔
۴۔ بائیں ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کے آخری سرے تک یعنی اوپر سے نیچے کی طرف دھوئے۔
۵۔ داہنے ہاتھ کی تری سے، سر کے اگلے حصہ پر اوپر سے نیچے کی طرف کھینچے۔
۶۔ اور داہنے ہاتھ کی بچی ہوئی تری سے داہنے پیر کی انگلیوں سے لے کر پیر کے ابھار تک کھینچے۔
۷۔ بائیں ہاتھ سے بائیں پیر کی انگلیوں سے لے کر پیر کے ابھار کی جگہ تک کھینچے۔

اذان (۱)

نماز سے پہلے اذان کہنا مستحب ہے، اس کی ترتیب یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکبَرُ	۴ مرتبہ	اللہ سب سے بڑا ہے۔
اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	۲ مرتبہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔
اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰہِ	۲ مرتبہ	میں گواہی دیتا ہوں کی محمدؐ بن عبداللہ، اللہ کے رسول ہیں۔
حَیَّ عَلیٰ الصَّلٰوۃِ	۲ مرتبہ	نماز کے لئے جلدی کرو۔

۱۔ مراجع تقلید نے کہا ہے کہ "اَشھَدُ اَنَّ عَلِیاً وَلِیُّ اللّٰہِ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں پر اللہ کے ولی ہیں) اذان واقامت کا (جز) حصہ نہیں ہے، لیکن "اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰہِ" کے بعد "اَشھَدُ اَنَّ عَلِیاً وَلِیُّ اللّٰہِ" بقصد تبرک وتیمن کہنا بہتر ہے۔ (توضیح المسائل مسئلہ ۹۱۹)

حَیَّ عَلیٰ الفَلَاحِ	۲ مرتبہ	کامیابی کے لئے جلدی کرو۔
حَیَّ عَلیٰ خَیرِ العَمَلِ	۲ مرتبہ	بہترین عمل کے لئے جلدی کرو
اَللّٰہُ اَکبَرُ	۲ مرتبہ	خدا اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی توصیف کی جائے۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	۲ مرتبہ	خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اقامت

نماز کے لئے اذان کے بعد اقامت کہنا مستحب ہے، اس کی ترتیب یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکبَرُ	۲ مرتبہ	خدا اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی توصیف کی جائے۔
اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	۲ مرتبہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔
اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰہِ	۲ مرتبہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں۔
حَیَّ عَلیٰ الصَّلٰوۃِ	۲ مرتبہ	نماز کے لئے جلدی کرو
حَیَّ عَلیٰ الفَلاَحِ	۲ مرتبہ	کامیابی کے لئے جلدی کرو
حَیَّ عَلیٰ خَیرِ العَمَلِ	۲ مرتبہ	بہترین عمل کے لئے جلدی کرو۔

قَد قَامَتِ الصَّلٰوۃُ	۲ مرتبہ	نماز قائم ہو گئی۔
اَللّٰہُ اَکبَرُ	۲ مرتبہ	اللہ سب سے بڑا ہے۔
لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	۱ مرتبہ	خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

نماز میں چند چیزوں کا انجام دینا ضروری ہے:

۱۔ نیت: قبلہ رخ کھڑے ہونے کے بعد (قصد) نیت کریں میں دو رکعت نماز صبح پڑھتا ہوں واجب قربۃً الی اللہ۔

۲۔ تکبیرۃ الاحرام: نیت کے بعد ہاتھوں کو کان کی لو تک لیجا کر کہیں "اللہ اکبر" پھر ہاتھوں کو نیچے لائیں۔

۳۔ قرائت: تکبیرۃ الاحرام کے بعد سورہ حمد کو شروع کریں:

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ. الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ . مَالِکِ یَومِ الدِّینِ. اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ. اِھدِنَاالصِّرَاطَ المُستَقِیمَ . صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّآلِّینَ .

ترجمہ: خداوند رحمٰن و رحیم کے نام سے (شروع کرتا ہوں) ساری

تعریفیں اس خدا کے لئے مخصوص ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے، جو دنیا میں سب پر رحم، اور آخرت میں صرف مومنین پر رحم کرنے والا ہے، قیامت اور جزا کے دن کا مالک ہے، پروردگار صرف تیری عبادت کرتے ہیں، اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ، ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں، ان لوگوں کا راستہ نہیں، جن پر تو نے غضب نازل کیا ہے اور گمراہوں کا راستہ۔

نکتہ ۱: سورہ حمد پڑھنے کے بعد قرآن مجید سے کوئی ایک سورہ پڑھیں مثلا سورہ توحید اس طرح :

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ . اَللّٰہُ الصَّمَدُ . لَم یَلِد وَلَم یُولَد . وَلَم یَکُن لَّہٗ کُفُواً اَحَدٌ.

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ورحیم ہے، اے پیغمبر! کہہ دیجئے وہ خدا یکتا ہے، وہ خدا سب سے بے نیاز ہے مگر سب اس کے نیازمند ہیں ،کوئی اس سے نہیں پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور کوئی اس کا مثل ونظیر نہیں ہے۔

نکتہ ۲: مردوں پر واجب ہے کہ نماز صبح ومغرب وعشا میں سورہ حمد اور دوسرا

سورہ بلند آواز سے پڑھیں۔

نکتہ۳: تکبیرۃ الاحرام (اللہ اکبر) کہتے وقت ہاتھوں کا کان کی لو تک اٹھانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

۴۔ رکوع: سورہ حمد اور دوسرے سورہ کے بعد رکوع میں جائیں، یعنی اس انداز میں جھک جائیں کہ ہاتھ دونوں گھٹنوں تک پہنچ جائے اور پھر پڑھیں:

"سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ وَ بِحَمدِہٖ"

یا تین مرتبہ کہیں "سُبحَانَ اللّٰہِ" یعنی میرا عظیم پروردگار ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے اور میں اس کی حمد وثنا، کرتا ہوں، رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہو کر کہیں: "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہٗ" (خداوند عالم اپنے بندے کی حمد وثنا قبول کرنے والا ہے) پڑھنا مستحب ہے۔

۵۔ سجدہ: رکوع کے بعد سجدہ میں جائیں یعنی پیشانی کو زمین پر یا جو چیز اس سے اگتی ہے (لیکن کھانے اور پہننے والی نہ ہو) اس پر رکھیں اور حالت سجدہ میں پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی اور دونوں گھٹنے دونوں انگوٹھے کے سرے کو زمین پر رکھیں پھر پڑھیں: "سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی وَبِحَمدِہٖ" یا تین مرتبہ "سُبحَانَ اللّٰہِ" (میرا پروردگار ہر ایک سے بالا و برتر ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے اور میں اس کی حمد کرتا ہوں) پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھائے اور تھوڑا ٹھہر کر پھر

دوبارہ سجدہ میں جائیں اور سجدۂ دوم سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر بیٹھیں اور دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہوتے وقت پڑھیں "بِحَولِ للّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُومُ وَاَقعُدُ" میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ومدد سے کھڑا ہوتا اور بیٹھتا ہوں، کہنا مستحب ہے جب سیدھے کھڑے ہو گئے تو مطمئن ہو کر الحمد اور دوسرا سورہ پہلی رکعت کی طرح پڑھیں۔

۶۔ قنوت: سورہ حمد اور دوسرے سورہ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے کے سامنے لا کر قنوت (دعا) پڑھیں: "رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَفِی الآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (اے پروردگار! دنیا اور آخرت میں ہم کو حسنہ مرحمت فرما اور جہنم کے عذاب سے بچا) دونوں ہاتھوں کو نیچے لائیں اور مثل سابق رکوع کریں۔

توجہ: قنوت پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب اور فضیلت وثواب کا باعث ہے۔

۷۔ تشہد: تمام نمازوں میں دوسری رکعت کے کامل کرنے کے بعد دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھ جائیں اور اس طریقے سے تشہد پڑھیں: "اَلحَمدُ لِلّٰہِ اَشھَدُ اَن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہُ لَا شَرِیکَ لَہُ وَاَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبدُہُ وَرَسُولُہُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ" میں گواہی دیتا ہوں

کہ خدا کے علاوہ کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے وہ یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں خداوند عالم محمدؐ اور ان کی آل پر درود بھیج۔

توجہ: نماز مغرب میں پہلے تشہد کے بعد سلام نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہو کر اطمینان کی حالت میں تیسری رکعت کو شروع کریں پھر رکوع وسجود و تشہد کے بعد سلام پڑھیں، اور نماز ظہر وعصر وعشا میں پہلے تشہد کے بعد سلام نہیں پڑھیں گے بلکہ کھڑے ہو کر تیسری اور چوتھی رکعت انجام دینے کے بعد بیٹھ کر تشہد وسلام پڑھا جائے گا۔

۸۔ سلام: نماز صبح میں تشہد کے بعد سلام اس طرح سے پڑھیں:

''اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ''

'' اَلسَّلَامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ''

'' اَلسَّلَامُ عَلَیکُم وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ''

اے نبیؐ! آپ پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو، اے نمازتم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکتیں ہوں۔

۹۔ تسبیحات اربعہ: نماز مغرب کی تیسری اور نماز عشا ظہر وعصر کی تیسری و چوتھی رکعت میں سورہ حمد کے بجائے تسبیحات اربعہ پڑھیں گے:

''سُبحَانَ اللّٰهِ وَالحَمدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکبَرُ'' خداوند عالم پاک ومنزہ ہے حمد وثنا اس کے لئے مخصوص ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں خدا اس سے کہیں بزرگ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔

توجہ: نماز پڑھنے والے کا جسم ولباس پاک ہونا چاہیے اور لباس کے پاک ہونے کے ساتھ مباح اور حرام گوشت رکھنے والے جانور یا مردار کی جلد اور کھال سے بنا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔

توجہ: نماز پڑھنے والی عورت، جنابت وحیض واستحاضہ ونفاس سے اور مرد جنابت سے پاک ہو۔

نماز کے ارکان

نماز کے پانچ ارکان ہیں:

۱۔ نیت۔

۲۔ تکبیرۃ الاحرام۔

۳۔ قیام، تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت اور رکوع میں جانے سے پہلے جس کو قیام متصل بہ رکوع کہا جاتا ہے یعنی رکوع سے پہلے کھڑے ہونا۔

۴۔ رکوع۔

۵۔ دونوں سجدے عمداً و سہواً یا ان ارکان کو کم یا زیادہ کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

نماز کو باطل کرنے والی چیزیں

ان کاموں کو انجام دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے:

۱۔چاہے عمداً ہو یا سہواً وضو کے ٹوٹ جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۲۔جان بوجھ کر دنیا کے متعلق گریہ کرنا۔

۳۔عمداً قہقہ کے ساتھ ہنسنا۔

۴۔جان بوجھ کر کھانا اور پینا۔

۵۔بھول کر یا جان بوجھ کر کسی رکن کو کم یا زیادہ کر دینا۔

۶۔حمد کے بعد آمین کہنا۔

۷۔سہواً یا عمداً قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا۔

۸۔بات کرنا۔

۹۔ایسا کام کرنا جس سے نماز کی صورت ختم ہو جائے جیسے تالی بجانا اور اچھلنا، کودنا وغیرہ۔

۱۰۔پیٹ پر ہاتھ باندھنا (اہل سنت کی طرح)۔

۱۱۔دو رکعتی یا تین رکعتی نماز کی رکعتوں میں شک کرنا۔

مسافر کی نماز

ان شرائط کے ساتھ مسافر کو چاہیے کہ چار رکعتی نماز کو دو رکعت پڑھے:

۱۔ آٹھ فرسخ جانے کا ارادہ رکھتا ہو (۴۳ کلومیٹر) یا چار فرسخ جائے اور واپس آئے۔

۲۔ کثیر السفر نہ ہو، یعنی ڈرائیور یا ملاح (ناؤ چلانے والے) کے مانند نہ ہو کہ اس کا کام ہی سفر میں رہتا ہے۔

۳۔ تاجر نہ ہو کہ سفر کی حالت میں تجارت کرتا ہو۔

۴۔ اس کا سفر کسی حرام کام کے لئے نہ ہو، جیسے سفر کرے چوری یا مومن کے قتل کرنے کے لئے اسی طرح عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نکلے یا بیٹا اور بیٹی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر فرار کریں۔

۵۔ آٹھ فرسخ سے پہلے اس کا وطن یا دس دن قیام نہ کرے۔

نکتہ ۱: جو مسافر سفر میں ایک جگہ دس دن رہنے کا ارادہ رکھے تو جب تک وہاں پر قیام ہے نماز پوری پڑھے اور وہ مسافر جو تیس دن تک متردد حالت میں رہ رہا ہو تیسویں دن کے بعد چاہیے کہ نماز کو پوری پڑھے۔

نکتہ ۲: جو شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہے اپنے وطن سے یا رہنے کی جگہ سے اس کو چاہیے کہ حد ترخص کے بعد نماز کو قصر اور روزہ کو افطار کرلے اس سے پہلے نماز قصر اور روزہ باطل نہیں کرنا چاہیے (حدِّ ترخص) مسافر اپنے گھر سے اس قدر دور نکل جائے کہ شہر کی آوازِ آذان سنائی نہ دے اور نہ ہی
شہر کی دیوار دکھائی دے، اس سے پہلے وہ شخص شرعی مسافر نہیں ہے۔

نماز آیات

نماز آیات پڑھنے کا وقت سورج گہن، چاند گہن، زلزلہ اور غیر عادی حادثہ جس سے اکثر لوگ خوف محسوس کریں مثلاً سیاہ و سرخ آندھی اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نماز آیات بجالائے۔

نماز آیات کا طریقہ: ۱۔ وضو کے بعد قبلہ رخ کھڑا ہو کر نیت کرے کہ میں نماز آیات پڑھتا ہوں (قُربَةً اِلَی اللّٰهِ)

۲۔ نیت کے بعد دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے جا کر کہے "اللہ اکبر"۔

۳۔ سورہ حمد اور دوسرا سورہ پڑھے پھر رکوع میں جائے اور ذکر رکوع کو بجا لائے۔

۴۔ رکوع سے سر اٹھا کر سورہ حمد اور دوسرا سورہ پڑھے پھر رکوع میں جائے اسی طرح انجام دے یہاں تک کہ پانچ سورہ حمد اور پانچ رکوع تمام ہو جائے۔

۵۔ پانچویں رکوع کے بعد سجدہ میں جائے اور نماز پنجگانہ کی طرح دو سجدہ بجالائے۔

۶۔ دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور رکعت اول کی طرح اس کو بھی بجالائے اور پانچویں رکوع کے بعد سجدہ بجالائے۔

۷۔ دونوں سجدہ کے بعد تشہد اور سلام پڑھکر نماز تمام کرے۔

توجہ: نماز آیات کا وقت سورج اور چاند گہن کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ گہن ختم ہو جائے لیکن اور دوسری نماز آیات (جیسے زلزلہ و سیاہ و سرخ آندھی) جس وقت بھی پڑھیں، ادا ہے۔

روزہ

اسلام کے اہم واجبات میں سے روزہ ہے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ نے فرمایا: روزہ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں ڈھال ہے۔(۱)

خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا۔(۲) یہ عظیم عبادت اپنے دامن میں بہت زیادہ فوائد رکھے ہوئے ہے، ڈاکٹری تحقیق کے مطابق پیٹ کی مشینوں کے لئے آرام کا باعث ہے، اور انسان کی سلامتی کے لئے مفید ہے اور اخلاقی اعتبار سے دشواری اور سختی کے وقت صبر و استقامت بخشتا ہے اور امیروں کو ناتواں اور مفلوک الحال افراد کے بارے میں غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: روزہ واجب ہے تاکہ پیسے والے، بھوک کا مزہ چکھیں،

---

(۱)۔وافی، ج۲، جز۷، ص۵۔

(۲)۔وافی، ج۲، جز۷، ص۵۔

مجبوروں اور غریبوں کے حال پر غور وفکر کریں (نیز) ان کے ساتھ احسان و بخشش کریں۔(۱)

تمام مسلمانوں پر رمضان کے مہینے کا روزہ رکھنا واجب ہے، یعنی صبح صادق سے لے کر مغرب تک تمام وہ کام جو روزہ کو باطل کرتے ہیں ان سے اجتناب و پرہیز کرے اور روزہ کو باطل کرنے والے امور یہ ہیں:

۱۔ کھانا اور پینا۔

۲۔ غلیظ گرد وغبار کا حلق تک پہنچانا۔

۳۔ قے کرنا۔

۴۔ جماع (عورت سے ہمبستری کرنا)

۵۔ حقنہ کرنا۔

۶۔ پانی میں سر ڈبونا۔

۷۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹا الزام لگانا۔

۸۔ استمناء (منی نکالنا) (۹) صبح کی اذان تک جنابت وحیض ونفاس پر باقی رہنا۔

نکتہ: اگر یہ روزہ توڑنے والی چیزیں عمداً واقع ہو تو روزہ باطل ہو جاتا ہے

---

(۱)۔ وافی، ج۲، جز ۷، ص۵۔

لیکن اگر بھول چوک یا غفلت کے سبب واقع ہو تو روزہ باطل نہیں ہوتا ہے سوائے جنابت وحیض ونفاس پر باقی رہنے کے، کہ اگر سہواً اور غفلت کی وجہ سے بھی ہو، تو بھی روزہ باطل ہے۔

وہ افراد جو روزہ کو توڑ سکتے ہیں

۱۔ بیمار: جس پر روزہ رکھنا ضرر کا باعث ہو۔

۲۔ مسافر، انھیں شرائط کے ساتھ جو مسافر کی نماز کے متعلق بیان ہوئی ہیں۔

۳۔ وہ عورت جو ماہواری (حیض کی حالت میں) یا نفاس میں ہو۔

نکتہ: ان تینوں قسم کے افراد کو چاہیے کہ اپنے روزہ کو توڑ دیں اور عذر کو بر طرف ہونے کے بعد روزہ کی قضا کریں۔

۴۔ حاملہ عورتیں جن کا وضع حمل قریب ہو اور روزہ خود اس کے لئے یا اس کے بچے کے لئے ضرر کا باعث ہو۔

۵۔ بچے کو دودھ پلانے والی عورتیں جسکو روزہ رکھنے سے دودھ میں کمی آتی ہو اور بچہ کی تکلیف کا سبب ہو۔

۶۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جن پر روزہ رکھنا سخت اور دشوار ہے۔

نکتہ ا: یہ عورتیں عذر کے زائل ہونے کے بعد اپنے روزے کی قضا اور تین

پاؤ گیہوں فقیر کو دیں گی۔

نکتہ۲: اگر یہ لوگ رمضان کے بعد بآسانی روزہ رکھ سکتے ہوں تو قضا کریں، لیکن اگر ان پر روزہ رکھنا دشواری کا باعث ہے تو قضا واجب نہیں ہے، لیکن ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ گیہوں فقیر کو دیں۔

نکتہ۳: جو شخص عذر شرعی کے بغیر ماہ رمضان کے روزہ کو توڑ دے تو اسے چاہیے کہ اس کی قضا کرے اور ہر روزہ کے بدلے ساٹھ روزہ رکھے یا ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے۔

زکوٰۃ

اسلام کی واجب چیزوں میں سے زکواۃ ہے، حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی زکواۃ نہ دے وہ نہ مومن ہے اور نہ ہی مسلمان ہے (۱)

اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے قرآن مجید میں زکواۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو شخص نماز پڑھے مگر زکواۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں ہے (۲)

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: اگر تمام لوگ اپنے مال کی زکواۃ ادا کرتے تو (دنیا) میں کوئی فقیر نہ ہوتا (۳)

زکوٰۃ (۹) چیزوں پر واجب ہے: (۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور (۴) کشمش (۵) گائے بھینس (۶) بھیڑ بکری (۷) اونٹ (۸) سونا (۹) چاندی۔

---

(۱)۔ وافی، ج ۲، ص ۵، جز ۶۔

(۲)۔ وافی، ج ۲، ص ۵، جز ۶۔

(۳)۔ وافی، ج ۲، ص ۶۔

دین اسلام نے ان چیزوں کے لئے ایک حد و مقدار بیان فرمائی ہے اگر اس حد تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ دینا واجب ہوگی اگر اس مقدار تک نہ پہونچے تو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی اس حد کو نصاب کہتے ہیں۔

گیہوں، جو، کھجور اور کشمش: ان چار چیزوں کا نصاب ۸۴۷ کلو ہے اگر اس مقدار سے کم ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، زکوۃ نکالتے وقت یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ جو زراعت پر اخراجات ہوئے ہیں ان سب کو نکال کر اگر نصاب کی حد تک پہنچے تو زکوۃ واجب ہوگی،

زکوۃ کی مقدار:

گیہوں، جو، کھجور و کشمش کی آب پاشی اگر بارش، نہر، زمین کی تری سے ہوئی ہو تو اس کی زکوۃ دسواں حصہ ہے اور اگر کنویں کے پانی یا ڈول وغیرہ سے کھینچ کر ہوئی ہے تو اس کی زکوۃ بیسواں حصہ ہوگی۔

بھیڑ بکری کا نصاب:

اس کا پانچ نصاب ہے:

پہلا: ۴۰ بھیڑوں پر ایک بھیڑ کی زکوۃ ہوگی (اس سے کم پر زکوۃ واجب نہیں ہے)

دوسرا: ۱۲۱ بھیڑوں کی زکوۃ دو بھیڑ ہوگی۔

تیسرا: ۲۰۱ بھیڑوں کی زکوۃ تین بھیڑ ہوگی

چوتھے: ۳۰۱ بھیڑوں کی زکوۃ چار بھیڑ ہوگی۔

پانچویں: چار سو سے زیادہ بھیڑوں میں ہر سو پر ایک بھیڑ بطور زکوۃ ادا کرے۔

نکتہ: کوئی گیارہ مہینے بھیڑوں کا مالک رہا ہو تو اس کو بارہویں مہینے میں زکوۃ دینا واجب ہے بھیڑ بکریوں پر اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب وہ پورے سال بیابانوں میں چری ہوں اگر تمام سال یا کچھ مہینہ چراگاہ کی گھانس یا خریدی ہوئی گھانس کھائے ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

گائے کا نصاب:

گائے کے دو نصاب ہیں:

(پہلا) تیس گائے کی زکوۃ، گائے کا ایسا بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہوا ہو۔

(دوسرا) چالیس گائے کی زکوۃ، گائے کا ایسا بچہ (جو مادہ ہو) جو تیسرے سال میں داخل ہو۔

اگر چالیس سے زیادہ گائے ہوتو ان دونصابوں میں سے جو حساب میں بہتر تطبیق ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے یا تو تیس تیس عدد کا حساب کرے یا چالیس چالیس عدد کا حساب کرے یا دونوں کو ملا کر حساب کرے مثلاً کسی کے پاس ساٹھ گائے ہے تو چاہیے کہ تیس کا حساب کرے اور اگر ستر گائے ہے تو ایک تیس اور ایک چالیس کا حساب کرے اور اگر اسی گائے ہے تو چاہیے کہ دو چالیس کا حساب کرے۔

نکتہ ۱: گائے کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب پورے سال بے کار رہی ہو یا بانوں میں چری ہو۔(۱)

سونے کا نصاب:

سونے کا دو نصاب ہے:

پہلا۔ بیس مثقال شرعی جو ۱۵ مثقال معمولی کے برابر ہوتا ہے اس مقدار کے برابر ہو اس کا چالیسواں حصہ بہ عنوان زکوٰۃ ادا کرے۔

(دوسرا) چار مثقال شرعی جو تین مثقال معمولی کے برابر ہوتا ہے، یعنی اگر ۱۵ مثقال معمولی پر تین مثقال معمولی کا اضافہ ہو جائے تو پورے ۱۸ مثقال معمولی

---

(۱)۔ چونکہ موجودہ صورت حال میں اونٹ کی زکواۃ کا اتفاق نہیں ہوتا ہے، اس لئے ہم نے اس کے نصاب کو بیان نہیں کیا ہے۔

(یعنی ۲۴ مثقال شرعی) کی زکوۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے دے اور اگر تین مثقال معمولی (چار مثقال شرعی) سے کم کا اضافہ ہو تو صرف ۱۵ مثقال معمولی کی زکواۃ ہوگی باقی پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

اسی حساب سے چاہے جس قدر اضافہ ہوتا جائے زکوۃ واجب ہوگی، اگر تین مثقال معمولی (۴ مثقال شرعی) کا اضافہ ہوجائے تو پورے کی زکوۃ دے اور اگر تین مثقال معمولی سے کم اضافہ ہو تو اس اضافہ پر زکوۃ نہ ہوگی۔

چاندی کا نصاب

چاندی کے دو نصاب ہیں:

پہلا نصاب: جب چاندی ۱۰۵ مثقال معمولی کے برابر ہوجائے تو ڈھائی فیصد کے حساب سے اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر ۱۰۵ مثقال سے کم ہے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

دوسرا نصاب: (۲۱ مثقال پر ہے) اگر ۱۰۵ مثقال پر ۲۱ مثقال زیادہ ہوجائے تو پورے ۱۲۶ مثقال کی زکوۃ واجب ہوگی اور اگر ۲۱ سے کم کا اضافہ ہو تو صرف ۱۰۵ مثقال پر زکوۃ ہوگی اور باقی پر نہیں اسی طرح چاہے جسقدر اضافہ ہوجائے اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوگی۔

نکتہ ۱: سونا چاندی سکہ دار، رائج الوقت، اور گیارہ مہینے مالک کے اختیار میں رہا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نکتہ ۲: اگر سونا، چاندی حد نصاب سے خارج نہ ہوا ہو، تو ہر سال زکوٰۃ دینا چاہیے چاہے اس سے پہلے سال زکوٰۃ ادا کی ہو۔

نکتہ ۳: شاید زکوٰۃ میں اسلام کا فلسفہ یہ ہو کہ سونا چاندی سکہ دار ذخیرہ نہ ہو بلکہ اقتصادی حالات کو صحیح کرنے کے لئے اس کو مصرف اور خرچ میں لانا چاہیے۔

زکواۃ کا مصرف

درج ذیل آٹھ مقامات میں سے کسی ایک مقام پر زکوٰۃ صرف کرنا چاہیے:

۱۔ فقیر: یعنی جو شخص اپنے اور اپنے عیال کے سال بھر کے اخراجات نہ رکھتا ہو۔

۲۔ مسکین: یعنی جس شخص کی مالی حالت فقیر کی حالت سے بھی زیادہ بدتر ہو۔

۳۔ فی سبیل اللہ: یعنی ایسے کاموں میں صرف کرنا جس سے عام طور سے دینی منفعت ہو جیسے مسجد و مدرسہ بنانے میں پل، ہاسپٹل وغیرہ۔

۴۔ ابن سبیل: یعنی جو شخص سفر میں درماندہ و محتاج ہو گیا ہو اس کو زکوٰۃ سے

بقدر ضرورت دیا جائے گا کہ اپنے شہر پہونچ جائے۔

۵۔ جو مقروض اپنے قرض کو ادا نہ کر سکتے ہوں ان کے قرض کی ادائیگی میں صرف کریں گے۔

۶۔ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں۔

۷۔ اس کافر کو دیں گے کہ جس کیلئے امکان ہے احسان کے توسط سے اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔

۹۔ جو شخص حاکم شرع کی طرف سے زکوٰۃ اصول کرنے پر مامور ہو۔

نکتہ: اگر لوگ زکوٰۃ کا پیسہ ادا کریں تو حاکم شرع کو چاہیے کہ فقر و بیکاری کے ختم کرنے کی کوشش اور شہروں اور دیہاتوں کے آباد کرنے میں سعی کرے اور امور خیریہ کی بنیاد ڈالے۔

خمس

اسلام کے مالی حقوق میں سے خمس ہے جو تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

سات چیزوں پر خمس دینا واجب ہے:

ا۔ کاروبار کے منافع، انسان کو زراعت وصنعت وتجارت مختلف اداروں میں ملازمت کاریگری وغیرہ سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے (مثلاً کھانا، لباس، گھر کا برتن، گھر خریدنا، شادی، مہمان نوازی، مسافرت کے خرچ) سالانہ خرچ سے جو بچ جائے اس بچت کا پانچواں حصہ بعنوان خمس ادا کرے۔

۲۔ کان سے جو سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، پیتل، تیل، نمک، پتھر کا کوئلہ، گندھک معدنی چیز برآمد ہوتی ہے اور جو دھاتیں ملتی ہیں، ان سب پر خمس واجب ہے۔

۳۔ خزانے۔

۴۔ جنگ کی حالت میں مال غنیمت۔

۵۔ دریا میں غوطہ خوری کے ذریعہ حاصل ہونے والے جواہرات۔

۶۔ جو زمین مسلمان سے کافر ذمی خریدے اس کو چاہیے کہ پانچواں حصہ اس کا یا اس کی قیمت کا بعنوان خمس ادا کرے۔

۷۔ حلال مال جو حرام مال میں مخلوط ہو جائے اس طرح کی حرام کی مقدار معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس مال کو پہچانتا ہو، تو اسے چاہیے ان تمام مال کا پانچواں حصہ خمس دے تاکہ باقی مال حلال ہو جائے۔

نکتہ ۱: جو شخص خمس کے مال کا مقروض ہے اس کو چاہیے کہ مجتہد جامع الشرائط یا اس کے کسی وکیل کو دے تاکہ وہ عظمت اور ترویج اسلام اور غریب سادات کے مخارج کو اس سے پورا کرے۔

نکتہ ۲: خمس و زکوۃ کی رقوم اسلامی مالیات کا سنگین اور قابل توجہ بجٹ ہے۔

اگر صحیح طریقہ سے اس کی وصولی کی جائے اور حاکم شرع کے پاس جمع ہو تو اسے مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں کو بطور احسن انجام دیا جا سکتا ہے، یا فقیری و بیکاری اور جہالت کا ڈٹ کر مقابلہ اور اس سے لاچار و فقیر لوگوں کی دیکھ ریکھ کی جا سکتی ہے اور لوگوں کی ضروری امور کہ جس کا فائدہ عمومی ہوتا ہے اس کے ذریعہ کرائے جا سکتے ہیں مثلاً ہاسپٹل، مدرسہ، مسجد، راستہ، پل اور عمومی حمام وغیرہ۔

حج

جو شخص مالی اور جسمانی قدرت رکھتا ہو پوری عمر میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جانا اور دنیا کے سب سے بڑے اجتماع اور تمام مسلمانوں کے جاہ و جلال کے ساتھ شرکت کرنا واجب ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص مرجائے اس حال میں کہ عذر شرعی کے بغیر اپنے واجبی حج کو ترک کیا ہے تو ایسا شخص دنیا سے مسلمان نہیں جاتا بلکہ وہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ محشور ہوگا۔(۱)

حج اسلام کی بڑی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے اور اپنے دامن میں بڑے فوائد کو رکھے ہوئے ہے مسلمان چاہے تو اس حج کے مراسم ومناسک میں اپنے ایمان کی تقویت اور خدا سے اپنے رابطہ کو محکم واستوار کرلے خداپرستی وفروتنی، برادری وبھائی چارگی اور بخشش ودرگذر کرنے کا عملی شاہکار اس بڑی اسلامی درس گاہ میں سیکھ

---

(۱)۔وافی، ج۲، آٹھواں حصہ، ص۴۸

سکتا ہے۔

دنیا کے تمام مسلمان ایک جگہ اور ایک مقام پر جمع اور ایک دوسرے کے رسوم و عادات سے آشنا ہوتے ہیں اور ہر ملک کے عمومی حالات کے تبادلۂ خیالات کے نتیجہ میں علمی سطح میں اضافہ ہوتا ہے اور جہاں پر مسلمان اسلام کی مشکلات اور مہم خطرات سے باخبر ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ ایک دوسرے کے اقتصادی اور سیاسی و فرہنگی پروگراموں کے سلسلہ میں باز پرس کرتے ہیں جہاں اسلام کے عمومی مصالح و فوائد پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اتحاد، ہم فکری نیز آپسی دوستی کے روابط مستحکم ہوتے ہیں۔

نکتہ: حج ہر مالی استطاعت رکھنے والے شخص پر واجب ہے یعنی اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ اگر وہ اپنے مال سے حج کے اخراجات نکال لے تو واپس آنے پر بیچارہ حیران و سرگرداں نہ پھرے بلکہ مثل سابق اپنی زندگی اور کام وغیرہ کو ویسے ہی انجام دے سکتا ہو۔

جہاد

اسلام کا ایک مہم دستور جہاد ہے۔ خدا پرستی کی ترویج واحکام اسلام کے نفوذ ،کفر و بے دینی اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد کہتے ہیں اور جہاد تمام مسلمانوں پرواجب ہے،اس ضمن میں قرآن مجید کہتا ہے:﴿ اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَاَنَّهُم بُنيَانٌ مَرصُوصٌ﴾ خدا توان لوگوں سے الفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (۱)

اور دوسرے مقام پر اس طرح تشویق کرتا ہے﴿ وَقَاتِلُ المُشرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونكُم كَافَّةً ﴾ اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو۔ (۲)

---

(۱)۔سورہ صف (۶۱) آیت ۴۔

(۲)۔سورہ توبہ (۹) آیت ۳۶۔

اور ایک مقام پر قرآن کہتا ہے ان کے رہنماؤں کے پیر اکھاڑ دو ﴿فَقَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ لِاَنَّهُم لَا اَيمَانَ لَهُم لَعَلَّهُم يَنتَهُونَ﴾ کفار کے سربر آوردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو، ان کی قسموں کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں ہے تا کہ یہ لوگ (اپنی شرارت) سے باز آجائیں۔(۱)

اسی طرح ارشاد باری ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُم حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ﴾ کفار سے اس قدر جنگ کرو کہ فتنہ وفساد برطرف ہوجائے اور (فقط) خدا کا دین (باقی) رہے۔(۲)

اور ایک مقام پر ارشاد رب العزت ہے، ان کو مرعوب کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقتیں فراہم کرو ﴿فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَاُلقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعبَ فَاضرِبُوا فَوقَ الاَعنَاقِ وَاضرِبُوا مِنهُم كُلَّ بَنَانٍ﴾ تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو میں بہت جلد کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دونگا (پس پھر کیا ہے اب) تو ان کفار کی گردنوں پر مارو اوران کی پور پور چٹیلی کردو۔(۳)

﴿وَاَعِدُّوا لَهُم مَا استَطَعتُم مِن قُوَّةٍ وَمِن رِبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُم وَآخَرِينَ مِن دُونِهِم﴾(۴)

---

(۱)۔سورہ توبہ(۹) آیت۱۲۔ (۲)۔سورہ بقرہ(۲) آیت۱۹۳۔

(۳)۔سورہ انفال(۸) آیت۱۲۔ (۴)۔سورہ انفال(۸) آیت۶۰۔

اور (مسلمانو) کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک ہو سکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بدھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرواسے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور اس کے سوا دوسرے لوگوں کے اوپر بھی اپنی دھاک بٹھالوگے۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: جہاد جنت کے دروازے میں سے ایک دروازہ ہے جو شخص جہاد سے انکار کرے خدا اس کو ذلیل ورسوا کرے گا۔(۱)

اسلام نے جہاد کو اسلامی ملکوں کی حفاظت کے لئے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے اور تمام مسلمانوں کو مجاہد اور اسلامی ملک کو مجاہدوں کی جگہ قرار دی ہے، مجاہدین اسلام کو چاہیے ہمیشہ کفر والحاد کے مقابلہ میں مسلح اور صف بصف آمادہ رہیں تا کہ دشمن اسلام قدرت وشوکت اور اتحاد مسلمین سے خوف کھائے اور اس کے ذہن سے اسلامی ملکوں پر زیادتی اور تجاوز کے خیالات ہوا ہو جائیں، اگر کفار کی فوج اسلام کے کسی علاقہ پر حملہ آور ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر اپنے استقلال کے لئے اس کا دفاع کرنا واجب ہے اور تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ سب کے سب دشمنوں کے مقابلہ میں صف بستہ کھڑے ہوں اور ایک ہی حملہ میں مخالف کی فوج کو تہس نہس اور تباہ و برباد کر کے اپنی جگہ پر بٹھادیں تا کہ دوبارہ وہ اس کی جرأت و ہمت نہ کر سکیں۔

---

(۴)۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۱۱۔

جب تک مسلمان جہاد کو اپنا مقدس دینی وظیفہ سمجھتے تھے اور دشمن کے مد مقابل اسلحہ سے لیس آمادہ اور تمام تیاری کے ساتھ ایک صف میں محاذ آرائی کے لئے کھڑے تھے، اس وقت تک کسی دشمن اسلام کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی، اس وقت دشمنان اسلام خوفزدہ اور اپنی قدرت وطاقت کی کمزوری کو درک کرتے تھے۔

لیکن جب مسلمان (مجاہدین) پراگندہ ہو گئے اور بکھر گئے (بجائے اس کے کہ دشمن کے مقابلہ میں صف بستہ ہوتے) بلکہ اپنی عزت وعظمت کو خود ہی تباہ کر بیٹھے اور دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہو کر استعمال ہونے لگے، لہذا اپنی حفاظت و استقلال کے لئے مجبور ہو گئے کہ غیروں کا سہارا لیں، تا کہ وہاں چاپلوسی اور خوشامدی کر کے اپنی حفاظت کی بھیک مانگیں لیکن نتیجہ اس کے برخلاف نکلا (خود ابریشم کے کیڑے کی طرح) روز بروز اس کے فریب کے جال میں گھرتے گئے۔

نکتہ: جہاد کے لئے مخصوص شرائط ہیں جس کی بابت چاہیے کہ فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلام کے واجبات میں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، ترویج اسلام وتبلیغ احکام میں کوشش کرنا لوگوں کو دینی ذمہ داریوں اور اچھے کاموں سے آشنائی کرانا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اگر کسی کو دیکھے کہ اپنے وظیفہ پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کو انجام دینے کے لئے آمادہ کرے اس کام کو امر بالمعروف کہتے ہیں۔

منکرات (خدا کی منع کردہ چیزیں) سے لوگوں کو منع کرنا بھی اسلام کے واجبات میں سے ہے، اور واجب ہے کہ مسلمان فساد، ظلم وستم کے خلاف جنگ کرے اور برے وگندے کاموں سے روکے اگر کسی کو دیکھے کہ جو منع کئے ہوئے کاموں (منکرات) کو انجام دیتا ہے تو اس کام کے برے ہونے کی طرف اس کی توجہ دلائے، جس حد تک ممکن ہو سکے اس کو برے کاموں سے روکے اس کام کو نہی از منکر کہتے ہیں۔

لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی بڑی ذمہ داریوں میں سے

ایک ذمہ داری ہے اگر اس وظیفہ پر عمل ہونا شروع جائے تو اسلام کا کوئی بھی قانون بلا عمل باقی نہیں رہے گا جیسا کہ اسلام تمام احکام وقوانین دینی کو مسلمانوں کے اجرا کا مسؤل سمجھتا ہے، تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں نیز مسلمانوں پر واجب ہے دین اسلام کے قوانین کا ہر طرح سے دفاع اور اس کی حفاظت اور رائج کرنے میں کوشش کریں، تا کہ اس کے فائدے سے تمام افراد بہرہ مند ہو سکیں، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ خود نیک کام کو انجام دے اور لوگوں کو بھی نیک کام پر آمادہ کرے، خود بھی برے اور گندے کاموں سے دوری کرے اور دوسروں کو بھی محرمات الٰہی سے روکے۔

مذکورہ دستور العمل سرنامہ اسلام اور قرآن کا مخصوص پروگرام شمار ہوتا ہے قرآن مجید اس دستور العمل کو انجام دینے میں مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی شمار کرتا ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ تم کیا اچھے گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کیے گئے تم (لوگوں) کو اچھے کام کا حکم کرتے اور برے کاموں سے روکتے اور خدا پر ایمان رکھتے ہو(۱)

---

(۱)۔ آل عمران (۳) آیت ۱۱۰۔

اور ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلتَكُن مِنكُم اُمَّةٌ يَدعُونَ اِلَى الخَيرِ وَيَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ﴾ اور تم میں سے ایک گروہ (ایسے لوگوں کا بھی) تو ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کا حکم اور برے کاموں سے روکیں۔(۱)

حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: امر بالمعروف نہی از منکر کرو اگر تم نے اس فرض پر عمل نہیں کیا تو اشرار تم پر مسلط ہو جائیں گے اس وقت اچھے لوگ جس قدر بھی دعائیں کریں اور ان کے ظلم و ستم پر گریہ کریں ان کی دعا محل اجابت میں قبول نہیں کی جائے گی۔(۲)

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: جب بھی میری امت امر بالمعروف اور نہی از منکر کو ترک کردے گویا خدا سے اعلان جنگ کر رہی ہے (۳)

رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: جب بھی میری امت نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کے کام میں مشغول رہے گی معاشرہ اور سماج آبرومند اور بہتر رہے گا، لیکن جس وقت اس ذمہ داری کو ترک کردے ان کے ہاتھوں سے برکت اٹھ جائے گی،

---

(۱)۔آل عمران (۳) آیت ۱۰۴۔

(۲)۔وسائل الشیعہ، ج ۱۱ ص ۳۹۴

(۳)۔وسائل الشیعہ، ج ۱۱ ص ۳۹۴۔

اور ان میں سے بعض (شریر) افراد تمام لوگوں پر غالب آجائیں گے اس وقت یہ فریاد اور مدد کے لئے پکارتے رہیں زمین و آسمان سے کوئی ان کی مدد کے لئے نہیں آئے گا۔(۱)

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں: نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کرنا ورنہ تم سب پر (خدا کی طرف سے) عذاب نازل ہوگا اور تم گرفتارِ عذاب ہو جاؤ گے جب بھی کوئی تم میں سے کسی کو برا کام کرتے ہوئے دیکھے تو فوراً اس کے روک تھام کے لئے قدم بڑھائے، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اپنی زبان سے منع کرے اگر زبان سے منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو چاہیے اس برے کام کے انجام پانے پر دل سے ناراض و غمگین ہو۔(۲)

حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں: اگر تم پر کوئی خطرہ اور مصیبت آجائے تو تم اپنے اموال کو اپنے نفس پر فدا کردو، اگر تمھارے دین کے لئے خطرہ اور ہلاکت کا باعث ہو تو اپنی جان کو دین کی مدد و نصرت کے لئے فدا کردو، جان لو کہ بدبخت اور شقی وہ شخص ہے جو اپنے دین کو کھو بیٹھے اور چوری اس کی ہوئی ہے جس کے دین کی چوری ہو جائے۔(۳)

(۱)۔وسائل الشیعہ، ج۱۱ص۳۹۸۔ (۲)۔وسائل الشیعہ، ج۱۱ص۴۰۷۔

(۳)۔وسائل الشیعہ، ج۱۱ص۴۵۱۔

امر بالمعروف اور نہی از منکر کے چند مراحل ہیں:

پہلا مرحلہ: زبان سے نرمی کے ساتھ اس کام کی اچھائی یا برائی اس شخص کے لئے ثابت کی جائے اور نصیحت و موعظہ کی صورت میں اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس کام کو نہ کرے یا برے کام کو چھوڑ دے۔

دوسرا مرحلہ: اگر زبان سے موعظہ و نصیحت اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے تو سختی اور غصہ سے، برے کام سے روکا جائے۔

تیسرا مرحلہ: سختی و غصہ کی وجہ سے بھی اگر اس پر اثر نہ ہو تو جس حد تک، اگر قدرت رکھتا ہے یا جس وسیلہ و طریقہ سے ممکن ہے برے کام سے منع کرے۔

چوتھا مرحلہ: اگر اس کے باوجود بھی اس کو گناہ سے نہ روک سکے تو تمام لوگوں کو چاہیے اس سے اس طرح اظہار نفرت کریں کہ اس کو احساس ہو جائے کہ تمام لوگ اس کے مخالف اور اس سے متنفر ہیں۔

حرام وباطل معاملات

۱۔ عین نجس (جو چیز ذاتاً نجس ہو) جیسے پیشاب، پاخانہ، خون اور میت۔

۲۔ غصبی مال کی خرید وفروخت حرام وباطل ہے۔

۳۔ ایسے اسباب وآلات کی خرید وفروخت جو صرف حرام میں استعمال ہوتے ہیں جیسے موسیقی، جوے کے آلات۔

۴۔ سودی معاملہ بھی حرام ہے۔

۵۔ شراب اور ہر مست کرنے والی چیزوں کی خرید وفروخت۔

۶۔ ایسی چیزوں کی خرید وفروخت جو اسلام کی نگاہ میں مالیت نہیں رکھتی ہے۔

۷۔ ان ملاوٹ والی چیزوں کا بیچنا جس کے بارے میں خریدار کو کچھ پتہ نہ ہو جیسے گھی میں چربی یا کوئی اور چیز ملا کر بیچنا۔

۸۔ انگور وکشمش وکھجور کو ایسے شخص کو بیچنا جو اس سے شراب بناتا ہے (یا بنائے گا)

نجس چیزیں

اسلام کچھ چیزوں کو نجس جانتا، اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کا حکم دیتا ہے:

۱۔۲۔ پیشاب و پاخانہ خواہ انسان کا ہو یا ہر حرام گوشت حیوان جو خون جہندہ رکھتا ہے یعنی اگر اس کی رگ کو کاٹ دیں تو خون بڑی سرعت کے ساتھ نکلے۔

۳۔ اسی طرح خون جہندہ رکھنے والے حیوان کی منی نجس ہے۔

۴۔ خون جہندہ رکھنے والے حیوان کا مردہ نجس ہے۔

۵۔ خون جہندہ رکھنے والے حیوان کا خون نجس ہے۔

۶۔ خشکی کے کتے۔

۷۔ خشکی کی سور۔

۸۔ کافر جو خدا اور رسول کا منکر ہے۔

۹۔ شراب۔

۱۰۔ فقاع (بیئر) جو، جو سے بنائی جاتی ہے۔

مطہرات

۱۔ پانی: مطلق اور پاک پانی ہر چیز کی نجاست کو پاک کرتا ہے۔

۲۔ زمین: اگر زمین پاک اور خشک ہے تو انسان کا پیر، جوتے کا تلا، چھڑی کی نوک، گاڑی کا پہیہ وغیرہ کو پاک کرتی ہے شرط یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے ان چیزوں کی نجاست زائل ہوگئی ہو۔

۳۔ آفتاب: (سورج) آفتاب کی گرمی زمین، چھت، دیوار، دروازہ، کھڑکی اور درخت وغیرہ کو پاک کرتا ہے شرط یہ ہے کہ عین نجاست برطرف ہوگئی ہو اور نجاست کی تری آفتاب کی گرمی سے خشک ہوجائے۔

۴۔ عین نجاست کا دور ہونا: اگر حیوان کا بدن نجس ہوجائے تو عین نجاست کے دور ہوتے ہی اس کا بدن پاک ہوجاتا ہے، اور پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ استحالہ: اگر عین نجس اس طرح متغیر ہو جائے کہ اس پر اس کے سابقہ نام کا اطلاق نہ ہو بلکہ اسے کچھ اور کہا جانے لگے تو وہ نجاست پاک ہو جاتی ہے، جیسے کتا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو پاک ہو جائے گا یا نجس لکڑی کو آگ جلا کر خاکستر کر دے (تو وہ خاکستر پاک ہو جائیگی)

واجب غسل

چھ غسل واجب ہیں:

(۱) غسل جنابت (۲) غسل حیض (۳) غسل نفاس (۴) غسل استحاضہ (۵) غسل میت (۶) غسل مس میت۔

جنابت: انسان دو چیزوں سے مجنب ہو جاتا ہے، ۱۔ جماع (جنسی آمیزش) ۲۔ منی کا نکلنا

غسل کا طریقہ

غسل میں چند چیزیں واجب ہیں:

۱۔ نیت: غسل کو خدا کے لئے بجالائے اور معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا غسل انجام دے رہا ہے (یاد رہی ہے)

۲۔ نیت کے بعد پورے سر و گردن کو دھوئے اس طریقے سے کہ ایک ذرہ

کہیں چھوٹنے نہ پائے۔

۳۔ سر و گردن کے بعد داہنے طرف کے پورے بدن کو دھوئے۔

۴۔ اس کے بعد بائیں طرف کے پورے بدن کو دھوئے۔

نکتہ ۱: مجنب پر چند چیزیں حرام ہیں:

۱۔ خط قرآن، اسم خدا، اور اسماء انبیاء، اسماء ائمہ طاہرینؑ کو بدن کے کسی حصہ سے مس کرنا

۲۔ مساجد اور ائمہ علیہم السلام کے حرم میں ٹھہرنا۔

۳۔ کسی چیز کو رکھنے کے لئے مسجد میں داخل ہونا۔

۴۔ وہ سورہ جن میں سجدہ واجب ہے ان میں سے کسی ایک آیت کا پڑھنا (عزائم کا پڑھنا)

۵۔ مسجد الحرام میں جانا۔

نکتہ ۲۔ مجنب کے لئے ضروری ہے کہ نماز اور روزہ کے لئے غسل کرے، اسی طرح وہ عورت جو خون حیض و نفاس سے فارغ ہوئی ہے، نماز و روزہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

تیمّم کا طریقہ

تیمم میں پانچ چیزیں واجب ہیں:

۱۔ نیت۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہتھیلیوں کو زمین پر مارے۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو پوری پیشانی اور اس کے دونوں طرف جہاں سے سر کے بال اُگتے ہیں ابرووٴں تک (اور ناک کے اوپر تک کھینچے)

۴۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنے ہاتھ کی پوری پشت پر پھیرے۔

۵۔ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پوری پشت پر پھیرے۔

نکتہ۱: جب انسان کے لئے پانی ضرر رکھتا ہو یا پانی تک رسائی ممکن نہ ہو یا نماز کا وقت تنگ ہو تو چاہیے کہ نماز کے لئے تیمم کرے۔

نکتہ۲: مٹی، کنکر، ریت، ڈھیلہ، پتھر، پر تیمم کرنا صحیح ہے۔

نکتہ۳: اگر تیمم غسل کے بدلے ہو تو پیشانی کے مسح کے بعد ایک مرتبہ پھر

دونوں ہاتھوں کو ملا کر زمین پر مارے، بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشت کا اور داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح کرنا چاہیے۔

بعض حرام کام

ظلم کرنا، جھوٹ، غیبت، چاپلوسی، لوگوں کے مال کا غصب کرنا، عیب جوئی، جوا کھیلنا، سود کھانا، سود لینے کے لئے گواہ بننا، سود کے لئے رسید کاٹنا، زنا، لواط، نامحرم کی طرف دیکھنا، زنا کی نسبت دینا، ملاوٹ کرنا، شہادت (گواہی) چھپانا، جھوٹی گواہی دینا، وعدہ خلافی کرنا، میدان جنگ سے بھاگنا، شراب پینا، سور کا گوشت کھانا، مردہ کھانا، انسان کے بیضتین کا کھانا، خون پینا اور کھانا، نجس چیز کا کھانا و پینا، فساد پھیلانا، برے کام کو انجام دینا، مومن کا قتل کرنا، ماں اور باپ کو اذیت پہنچانا، جھوٹی قسم کھانا، کم فروشی (ناپ و تول میں کمی کرنا)، ظالم کی مدد کرنا، خیانت کرنا، ظالم کے پاس نمامی و چغلخوری کرنا، گمراہ کرنا، دین میں بدعت ڈالنا، مسلمانوں کی توہین کرنا، خدا کی ذات سے ناامیدی، گالی دینا، تکبر کرنا، زبان سے اذیت کرنا، ریاکاری کرنا، لوگوں کو دھوکہ دینا، پڑوسی کو ستانا، لوگوں کو رنج پہنچانا (مردم آزاری) رشوت کھانا، مشت زنی کے ذریعہ منی نکالنا، چوری، احکام خدا کے خلاف فیصلہ کرنا، مردوں کا سونے کے زیورات سے زینت کرنا جیسے انگوٹھی اور سونے کی گھڑی پہننا سونے کے برتن کا استعمال کرنا وغیرہ۔

بعض واجبات

نماز، روزہ، امر بہ معروف و نہی از منکر، جہاد، زکات، خمس، حج، مظلوموں کی مدد، گواہی دینا، دین کا دفاع کرنا، نفس محترم کی حفاظت، سلام کا جواب دینا، ماں و باپ کی اطاعت کرنا، احکام دین کا سیکھنا، صلۂ رحم کرنا، عہد و نذر کا وفا کرنا۔

تقلید

خداوند عالم نے ہماری سعادت اور دنیا وآخرت میں نجات کے لئے تمام احکام وقوانین کو اپنے نبیؐ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا اور آپؐ نے اس امانت عظمیٰ کو ائمہ طاہرینؑ کو ودیعت اعطا فرمایا ہے اور حضرت کے جانشین اور خلفائے برحق نے اپنی عمر کے تمام نشیب وفراز میں اس ذمہ داری کو پہنچانے کی کوشش فرمائی ہے جو آج تک ان تمام ادوار کو طے کرتا ہوا ہمارے سامنے حدیثوں اور روایتوں کی کتابوں میں موجود ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ امام زمانہؑ تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں اور وظائف کو حضرتؑ سے دریافت کرسکیں، لہذا مجبور ہیں کہ حدیثوں اور قرآنی آیات سے احکام کا استنباط کریں اور اگر اس پر بھی قادر اور دسترسی نہیں رکھتے تو ضروری ہے کہ کسی مجتہد اعلم (سب سے زیادہ علم رکھنے والا) کی تقلید کریں۔

ان روایات واحادیث میں کھری کھوٹی، صحیح وغلط وضعی جعلی وغیرہ کے سمندر

سے گوہر کا الگ کرنا ہر ایک کے بس کا میں نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو اس بحر بیکراں میں غواصی کر رہے ہوں، جو اس سمندر کی طغیان اور طوفان سے خوب واقف ہوں جنھوں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے رات و دن نہ دیکھا، عمر کے لحات کو نہ شمار کیا ہو، علوم کے سمندر کی تہہ میں بیٹھے ہوں اس کی راہوں سے خوب واقف ہوں اس میں سے گوہر و موتی نکالنے میں ان کے لئے کوئی مشکل کام نہ ہو، ایسے افراد کو مجتہد کہتے ہیں۔

لہذا ہم مجبور ہیں کہ اپنی ذمہ داریوں کو طے کرنے کے لئے ان کے دامن کو تھامیں کیونکہ اس کام کے ماہر وہی ہیں، مریض ڈاکٹر ہی کے پاس تو جائے گا، یہ ایک عقلی قاعدہ ہے جس چیز کے متعلق معلوم نہیں اس علم کے ماہر و متخصص سے پوچھو اور حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی دور دراز رہنے والوں کے لئے قریب کے عالم کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

البتہ تقلید میں یہ چیز ذہن نشین رہے، کہ ایسے مجتہد کی تقلید کی جائے جو تمام مجتہدین میں اعلم (جو احکام خدا کو سمجھنے میں سب سے زیادہ جاننے والا ہو) عادل و پرہیز گار ہو پس اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مجتہدین اکثر موارد میں اتفاق نظر رکھتے ہیں، سوائے بعض جزئیات کے کہ جس میں اختلاف پایا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان جزئیات میں ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ دیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ خداوند عالم کے پاس فقط ایک حکم

موجود ہے اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں پایا جاتا وہی حق ہے، اور حکم حقیقی وواقعی فتویٰ کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتا ہے، مجتہدین بھی نہیں کہتے ہیں کہ خدا کے نظریات واحکام ہمارے نظریات وخیالات کے تابع ہیں یا ہمارے حکم کی تبدیلی سے خدا کا حکم بدل جاتا ہے۔

پھر آپ ہم سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے: فتویٰ میں اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ فقہا آپس میں اختلاف کیوں رکھتے ہیں؟

ایسی صورت میں آپ کے سوال کا جواب یہ ہوگا کہ: فتویٰ میں اختلاف ان وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ممکن ہے۔

پہلا: کبھی ایک مجتہد حکم واقعی کو سمجھنے میں شک کرتا ہے تو اس حال میں قطعی حکم دینا ممکن نہیں ہوتا لہذا احتیاط کی رعایت کرتے ہوئے مطابق احتیاط فتویٰ دیتا ہے تا کہ حکم الٰہی محفوظ رہے، اور مصلحت واقعی بھی نہ نکلنے پائے۔

دوسرا: کبھی اختلاف اس جہت سے ہوتا ہے، کہ دو مجتہدین جس روایت کو دلیل بنا کر فتویٰ دیتے ہیں وہ روایت کو سمجھنے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں، ایک کہتا ہے امام اس روایت میں یہ کہنا چاہتے ہیں اور دوسرا کہتا ہے امام کا مقصود دوسری چیز ہے، اس وجہ سے ہر ایک اپنی سمجھ کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔

تیسرا: حدیث کی کتابوں میں کسی مسئلہ کے اوپر کئی حدیثیں موجود ہیں جو باہم تعارض رکھتی ہیں ہاں فقیہ کو چاہیے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے اور اس کے مطابق فتویٰ دے۔

یہاں ممکن ہے کہ مجتہدین کا نظریہ مختلف ہو ایک کہے فلاں اور فلاں جہت سے یہ روایت اس روایت پر مقدم ہے اور دوسرا کہے، فلاں وفلاں جہت سے یہ روایت اس روایت پر ترجیح رکھتی ہے پس ہر ایک اپنے مدنظر روایت کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔

البتہ اس طرح کے جزئی اختلافات کہیں پر ضرر نہیں پہونچاتے بلکہ محققین اور متخصصین و ماہرین کے نزدیک ایسے اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں آپ کئی انجینیر، اور مہارت رکھنے والے کو نہیں پا سکتے جو تمام چیزوں میں ہم عقیدہ واتفاق رای رکھتے ہوں۔

ہم مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

۱: تقلید کرنا کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ہر شخص جس فن میں مہارت نہیں رکھتا ہے اس فن میں اس کے متخصص و ماہر کے پاس رجوع کرتا ہے، جیسے گھر وغیرہ بنوانے کے معاملہ میں انجینیر اور بیماری میں ڈاکٹر اور بازار کی قیمت کے متعلق دلال کے پاس جاتے ہیں، پس احکام الٰہی حاصل کرنے کے لئے مرجع تقلید کی طرف رجوع کریں

اس لئے کہ وہ اس فن کے متخصص و ماہر ہیں۔

۲۔ مرجع تقلید: من مانی اور ہوا و ہوس کی پیروی میں فتویٰ نہیں دیتے بلکہ تمام مسائل میں ان کا مدرک قرآن کی آیات و احادیث پیغمبرؐ اور ائمہ طاہرینؑ ہوتی ہے۔

۳: تمام مجتہدین، اسلام کے کلی مسائل بلکہ اکثر مسائل جزئی میں بھی ہم عقیدہ اور نظری اختلاف نہیں رکھتے ہیں۔

۴: بعض مسائلِ جزئیہ جس میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ مجتہدین اختلاف کرنا چاہتے ہیں بلکہ تمام مجتہدین چاہتے ہیں کہ حکم واقعی خدا جو کہ ایک ہے اس کو حاصل کریں اور مقلدین کے لئے قرار دیں، لیکن استنباط اور حکم واقعی کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے پھر چارہ ہی کوئی موجود نہیں رہتا مگر یہ کہ جو کچھ سمجھا ہوا ہے اس کو بیان کریں اور لکھیں جب کہ حکم واقعی ایک حکم کے علاوہ نہیں ہے۔ مقلدین کے لئے بھی کوئی صورت نہیں ہے مگر اعلم کے فتوے پر عمل کریں اور خدا کے نزدیک معذور ہوں۔

۵: جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ دنیا کا ہر متخصص و محقق و ماہر چاہے جس فن کے بھی ہوں ان کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے، لیکن لوگ امر عادی سمجھتے ہوئے اس پر خاص توجہ نہیں دیتے ہیں اور اس سے اجتماعی امور میں کوئی رخنہ اندازی بھی نہیں ہوتی ہے۔

مجتہدین کے بعض جزئیات میں اختلافی فتوے بھی اس طرح کے ہیں، اس کو امر غیر عادی نہیں شمار کرنا چاہیے۔

۶: ہمیں چاہیے کہ ایسے مجتہد کی تقلید کریں جو تمام مجتہدین سے اعلم ہو، اور احکام الٰہی کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہو نیز عادل و پرہیزگار جو اپنے وظیفہ و ذمہ داری پر عمل کرتا ہو اور قانون و شریعت کی حفاظت کے لئے کوشاں ہو۔

اسلام میں رہبری وقیادت

جمہوریہ اسلامی ایران کے رہبر فقہاو مجتہدین صاحب شرائط سے منتخب کئے جاتے ہیں جمہوریہ اسلامی ایران کے بنیادی قانون میں رہبر کے لئے تین شرطیں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ علمی صلاحیت رکھتا ہو جو فقہ کے کسی باب میں فتویٰ دینا چاہے تو دے سکے۔

۲۔ امت اسلام کی رہبری کے لئے تقویٰ وعدالت ضروری ہے۔

۳۔ سیاسی واجتماعی بصیرت کا حامل ہو نیز تدبیر وشجاعت و بہادری رہبری و مدیریت کے لئے کافی قدرت وطاقت رکھتا ہو۔

سب سے پہلے رہبری کی ذمہ داری اسلامی جمہوریہ کے بانی آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی قدس سرہ کے اوپر تھی، اور پھر ان کے بعد رہبر کے انتخاب کی ذمہ داری خبرگان کے اوپر ہے (مجلس خبرگان میں مجتہدین وفقہا ہیں جو رہبری کے لئے کسی کو

منتخب کرتے ہیں) حضرت امام خمینیؒ کے بعد حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی میں رہبری وقیادت کے تمام شرائط موجود پا کر آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا، ولایت امر اوراس سے مربوط تمام تر مسائل کی ذمہ داری رہبر کے اوپر ہے۔

❁❁❁❁❁

فہرست مصادر

۱۔ اثباۃ الھداۃ........................محمد بن حسن حر عاملی

۲۔ ارشاد..شیخ مفید

۳۔ بحار الانوار..........................محمد باقر بن محمد تقی مجلسی

۴۔ البدایۃ والنہایۃ..................ابو الفداء اسماعیل بن محمد

عمر دمشقی (ابن کثیر)

۵۔ توضیح المسائل.........................مراجع تقلید

۶۔ حیاۃ القلوب..........................محمد باقر بن محمد تقی مجلسی

۷۔ سفینۃ البحار ومدینۃ الحکم والآثار..........شیخ عباس بن محمد رضا قمی

۸۔ کشف الغمہ..........................علی بن عیسی اربلی

۹۔ محجۃ البیضاء........................ملا محسن فیض کاشانی

۱۰۔ مناقب آل ابی طالب.................ابن شہر آشوب

۱۱۔ نہج البلاغہ......................................سید رضی

۱۲۔ وافی..ملا محسن فیض کاشانی

۱۳۔ وسائل الشیعہ......................................محمد بن حسن حر عاملی

۱۴۔ ینابیع المودۃ......................................سلیمان بن ابراہیم

قندوزی

فہرست مضامین

حرف اول.. ۷

دیباچہ.. ۱۱

بچے اور نوجوان.. ۱۲

ہماری ذمہ داری.. ۱۴

موجودہ کتاب کوتین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے.. ۱۶

فصل اول: خدا کی پہچان.. ۱۹

علم کی اہمیت.. ۲۱

خدا کی پہچان.. ۲۳

دنیا میں نظم وترتیب.. ۲۴

خدا کے صفات.. ۳۳

یاددہانی.. ۳۷

خدا کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ.. ۳۹

صفات سلبیہ ۴۱

صفات سلبیہ یا جلالیہ یہ ہیں ۴۱

توحید ۴۶

عدل ۵۲

دوسری فصل: نبوت ۵۵

نبی کے شرائط ۶۱

نبی کو پہچاننے کا طریقہ ۶۳

انبیاء کی تعداد ۶۵

حضرت محمد مصطفیٰؐ آخری نبی ہیں ۶۷

ہمیشہ رہنے والا معجزہ ۶۹

حضرت رسولؐ کے حالاتِ زندگی ۷۱

اسلامی احکام ۷۴

تیسری فصل: امامت ۷۹

امام کے صفات ۸۰

کمال اور فضیلت ۸۱

امام کی پہچان ۸۲

تشخیصِ امام اور امام کی تعداد ۸۴

پہلے امام.. ۸۷
پہلا واقعہ.. ۹۱
دوسرا واقعہ.. ۹۲
دوسرے امام.. ۹۴
امام حسنؑ کے صلح کی بنیادی دو وجہیں تھیں.. ۹۵
تیسرے امام.. ۹۸
چوتھے امام.. ۱۰۲
پانچویں امام.. ۱۰۵
چھٹے امام.. ۱۰۸
ساتویں امام.. ۱۱۱
واقعہ.. ۱۱۲
آٹھویں امام.. ۱۱۴
نویں امام.. ۱۱۸
دسویں امام.. ۱۲۰
گیارہویں امام.. ۱۲۲
بارہویں امام.. ۱۲۴
ائمہ طاہرینؑ کے متعلق ہمارا عقیدہ.. ۱۲۸

شیعہ..۱۲۹
مسلمانوں کے متعلق ہمارا عقیدہ..............................۱۳۳
چوتھی فصل: معاد (قیامت)..............................۱۳۷
موت..۱۴۴
برزخ..۱۴۶
قیامت اور لوگوں کا قبروں سے نکلنا..............................۱۴۸
جنت..۱۵۰
جہنم..۱۵۱
شفاعت..۱۵۳
توبہ..۱۵۵
پانچویں فصل: اخلاق..............................۱۵۷
اخلاق..۱۵۹
چھٹی فصل: فروع دین..............................۱۶۳
نماز..۱۶۴
وضو..۱۶۶
اذان..۱۶۷
اقامت..۱۶۹

نماز پڑھنے کا طریقہ..................۱۷۱
نماز کے ارکان..................۱۷۷
نماز کو باطل کرنے والی چیزیں..................۱۷۷
مسافر کی نماز..................۱۷۹
نماز آیات..................۱۸۱
روزہ..................۱۸۳
وہ افراد جو روزہ کو توڑ سکتے ہیں..................۱۸۵
زکوۃ..................۱۸۷
چاندی کا نصاب..................۱۹۱
زکوۃ کا مصرف..................۱۹۲
خمس..................۱۹۴
حج..................۱۹۶
جہاد..................۱۹۸
امر بالمعروف ونہی عن المنکر..................۲۰۲
حرام وباطل معاملات..................۲۰۷
نجس چیزیں..................۲۰۸
مطہرات..................۲۰۹

واجب غسل.. ۲۱۱
تیمم کا طریقہ.. ۲۱۳
بعض حرام کام.. ۲۱۵
بعض واجبات.. ۲۱۶
تقلید.. ۲۱۷
اسلام میں رہبری وقیادت.. ۲۲۳
فہرست مصادر.. ۲۲۵

مجمع جهانی اهل بیت علیهم‌السلام
www.ahl-ul-bayt.org
ISBN 964-529-051-1
9789645290519